Globethics Repository

Aqidah Tauhid aham maudhu'at

This page was generated automatically upon download from the Globethics Repository. More information on Globethics see https://www.globethics.net. Data and content policy of Globethics Repository see https://repository.globethics.net/pages/policy.

Item Type	Book
Authors	Al-Qodiri, Muhammad Thohir
Publisher	Manshurat Minhaj al-Quran
Rights	With permission of the license/copyright holder
Download date	2026-07-08 09:45:01
Link to Item	http://hdl.handle.net/20.500.12424/188476

عقیدۂ توحید

چند اَہم موضوعات

مِنہاجُ القرآن پبلیکیشنز

365-ایم، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 5168514، 3-5169111

یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور، فون: 7237695

www.Minhaj.org - www.Minhaj.biz

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مَـوُلَایَ صَلِّ وَ سَلِّمُ دَآئِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیُبِکَ خَیُرِ الُخَلُقِ کُلِّھِمِ

دَعَـا اِلَـی اللّٰہِ فَالُمُسُتَمُسِکُوُنَ بِہٖ

مُسُتَمُسِکُوُنَ بِحَبُلٍ غَیُرِ مُنُفَصِمِ

جملہ حقوق بحقِ تحریکِ منہاجُ القرآن محفوظ ہیں

نام کتاب	:	عقیدۂ توحید - چند اَہم موضوعات
خطبات و دراسات	:	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری
ترتیب و تدوین	:	ڈاکٹر علی اکبر قادری الازہری
تحقیق و تخریج	:	محمد تاج الدین کالامی، حافظ فرحان ثنائی
زیرِ اِہتمام	:	فریدِ ملّت رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ Research.com.pk
مطبع	:	منہاجُ القرآن پرنٹرز، لاہور
اِشاعتِ اَوّل	:	اکتوبر 2006ء
تعداد	:	1,100
قیمت اِمپورٹڈ کاغذ	:	-/80 روپے

✿ ✿ ✿

نوٹ: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تمام تصانیف اور خطبات و لیکچرز کے آڈیو، وِیڈیو کیسٹس، CDs اور DVDs سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لیے **تحریکِ منہاجُ القرآن** کے لیے وقف ہے۔

(ڈائریکٹر منہاجُ القرآن پبلی کیشنز)

sales@minhaj.biz

جملہ حقوق بحقِ تحریکِ منہاجُ القرآن محفوظ ہیں

نام کتاب	:	عقیدۂ توحید - چند اَہم موضوعات
خطبات و دراسات	:	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری
ترتیب وتدوین	:	ڈاکٹر علی اکبر قادری الازہری
تحقیق وتخریج	:	محمد تاج الدین کالامی، حافظ فرحان ثنائی
زیرِ اِہتمام	:	فریدِ ملّتؒ رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ Research.com.pk
مطبع	:	منہاجُ القرآن پرنٹرز، لاہور
اِشاعتِ اَوّل	:	اکتوبر 2006ء
تعداد	:	1,100
قیمت پریمئر کاغذ	:	-/60 روپے

✿ ✿ ✿

نوٹ: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تمام تصانیف اور خطبات و لیکچرز کے آڈیو/ ویڈیو کیسیٹس، CDs اور DVDs سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لیے **تحریکِ منہاجُ القرآن** کے لیے وقف ہے۔

(ڈائریکٹر منہاجُ القرآن پبلی کیشنز)

sales@minhaj.biz

فہرس

مشتملات	صفحہ
پیش لفظ	۱۱
باب اوّل	
توحید و شرک اور حقیقت و مجاز کا قرآنی تصوّر	۱۳
۱۔ حقیقت و مجاز کے لئے بعض الفاظ کا استعمال	۱۵
۲۔ عبادت میں حقیقی اور مجازی کی تقسیم جائز نہیں	۱۶
(۱) نظامِ زندگی باہمی مدد و استعانت کے سہارے چل رہا ہے	۱۶
(۲) ملائکہ کو بھی نیابت کے امور سونپے گئے	۱۷
۳۔ حقیقت و مجاز کے اطلاق کی ممکنہ صورتیں	۱۸
۴۔ حقیقت و مجاز کا اطلاق قرآن حکیم کی روشنی میں	۱۸
(۱) لفظ ’’خَلق‘‘ کا استعمال اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے لئے	۱۸
(۲) لفظ ’’وَهَّاب‘‘ کا حقیقی اور مجازی استعمال	۱۹
(۳) لفظِ ’’رَب‘‘ کا حقیقی اور مجازی استعمال	۲۲
(۴) ’’ایمان‘‘ میں زیادتی کی نسبت آیاتِ الٰہی کی طرف	۲۵

مشتملات	صفحہ
۵۔ حقیقتاً ہادی اور مضل ذاتِ باری تعالیٰ ہے	۲۶
٦۔ فعلِ ''یُجْعَلُ'' کی نسبت یومِ حساب کی طرف	۲۸
۷۔ عام معاشرتی زندگی میں حقیقت اور مجاز کا استعمال	۲۸
۸۔ افعال و اعمال میں نسبتِ مجازی و حقیقی کا لحاظ	۲۹
۹۔ بندوں کی طرف منسوب اکتسابِ افعال کی نسبت	۳۱
۱۰۔ لفظاً و معناً مفعول کی جدا جدا نسبت	۳۲
۱۱۔ اللہ اور مخلوق سے منسوب امورِ مشترکہ	۳۲
حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ملک الموت کا دلچسپ واقعہ	۳۳
۱۲۔ ایک فعل کی بیک وقت خالق و مخلوق دونوں کی طرف نسبت	۳٦
۱۳۔ مختلف الوجوہ فعل کے استعمال میں کوئی تناقض نہیں	۳۸
۱۴۔ واسطہ کو مؤثرِ حقیقی اور خالق جاننا کفر ہے	۳۸
۱۵۔ واسطہ کے جواز پر سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم	۴۰
۱٦۔ ترک مجاز سے معانیٔ قرآن میں تطبیق نہیں رہتی	۴۱
۱۷۔ معانی قرآن کی تطبیق میں احتیاط	۴۲
کسی کو نفع و نقصان کا سبب ماننا شرک نہیں	۴۳

مشتملات	صفحہ
باب دُوُم	
توحید و شرک اور صفات و افعال میں اشتراک	۴۵
فصل اَوّل: اسماء و صفات میں اشتراک کی مثالیں	۴۹
۱۔ اَلشَّفَاعَۃُ	۵۱
۲۔ عِلمُ الْغَیُبِ	۵۲
۳۔ اَلْهِدَایَۃُ	۵۳
۴۔ اَلضَّلَالَۃُ	۵۴
۵۔ اَلْعِزَّۃُ	۵۵
۶۔ اَلرَّؤُوفُ الرَّحِیُمُ	۵۶
۷۔ اَلْحَقُّ الْمُبِیُنُ	۵۷
۸۔ اَلنُّوْرُ	۵۹
۹۔ اَلشَّهِیُدُ	۵۹
۱۰۔ اَلْکَرِیُمُ	۶۰
۱۱۔ اَلْعَظِیُمُ	۶۱
۱۲۔ اَلْخَبِیُرُ	۶۲

مشتملات	صفحہ
۱۳۔ اَلشَّکُوْرُ	۶۳
۱۴۔ اَلْعَلِیْمُ	۶۴
۱۵۔ اَلْمُعَلِّمُ وَ الْعَلَّامُ	۶۵
۱۶۔ اَلْوَلِیُّ وَ الْمَوْلٰی	۶۵
۱۷۔ اَلْعَفُوُّ	۶۸
۱۸۔ اَلْمُؤْمِنُ	۶۹
۱۹۔ اَلْمُهَيْمِنُ	۷۰
۲۰۔ اَلْمُبَشِّرُ	۷۱
۲۱۔ اَلْفَتَّاحُ	۷۲
۲۲۔ اَلْاَوَّلُ وَالْآخِرُ	۷۳
۲۳۔ اَلْقَوِیُّ	۷۵
۲۴۔ اَلْمَحْمُوْدُ	۷۶
۲۵۔ اَلْمُزَكِّی	۷۷
۲۶۔ اَلسَّمِيْعُ	۷۹
۲۷۔ اَلْبَصِيْرُ	۷۹

صفحہ	مشتملات
۸۱	صفات مشترکہ کی حقیقت
۸۳	فصل دوم: اَفعال میں اشتراک کی مثالیں
۹۱	فصل سوم: خالق اور مخلوق کی مشترکہ صفات (علامہ ابنِ تیمیہ کا موقف)
۱۱۳	❖ مآخذ و مراجع

www.MinhajBooks.com

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ جس طرح اپنی ذات میں واحد و یکتا ہے اُسی طرح اپنی صفات واَفعال میں بھی یکتا و بے مثال ہے۔ مخلوق میں سے کوئی بھی اُس کی کسی شان اور صفت میں اس کے ساتھ شریک و سہیم نہیں ہوسکتا۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض برگزیدہ بندوں کو اپنی بعض صفات کا فیض عطا کر رکھا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اِشتراکِ اَلفاظ کی وجہ سے ان میں اور خالق کی صفت میں یکسانیت دکھائی دیتی ہے۔ یہ یکسانیت دراصل صفات میں اِشتراک کی وجہ سے ہوتی ہے جس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ یہ اشتراک مجازی معنوں میں ہوتا ہے۔

ائمہ دین نے قرآن وسنت کے گہرے مطالعے سے یہ نتیجہ اَخذ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات و اَفعال کا مخلوق کی صفات و اَفعال سے کوئی موازنہ یا مقابلہ نہیں بلکہ مخلوق کی صفات دراصل صفاتِ الٰہیہ کا عکس اور مظہر ہوتی ہیں نیز اللہ تعالیٰ کی صفات اس کی شان اور عظمت کے پیشِ نظر عظیم، قدیم اور اَزلی ہیں جبکہ مخلوق کی صفات بندے کی حیثیت کے مطابق عطائی اور حادث ہیں۔ ان صفاتِ مشترکہ کی حقیقت کو سمجھے بغیر بعض ظاہربین لوگ یہاں مغالطے کا شکار ہوکر شرک اور کفر کے فتوے صادر کر دیتے ہیں۔ متکلمین نے اس حقیقت کو سمجھانے کے لئے حقیقت اور مجاز کی اصطلاح استعمال کی ہے لیکن اس بحث میں زیادہ تر فلسفیانہ تراکیب استعمال ہوتی رہیں جس کی وجہ سے بات آسان فہم ہونے کی بجائے پیچیدہ رہی اور خواص کے علاوہ کسی نے ان بحثوں سے اطمینانِ قلب کا سامان نہیں کیا۔

گذشتہ سالوں سے جب معاصرانہ ضرورتوں کے پیشِ نظر شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ نے یونیورسٹی کے طلباء اور بیرونِ ممالک بعض خصوصی مجالسِ تدریس میں عقیدۂ توحید و رسالت پر لیکچرز کا سلسلہ شروع کیا تو ان اہم موضوعات پر بھی سیر حاصل بحث

ہوئی۔ چنانچہ ان جامع دروس پر مبنی ’’کتاب التوحید‘‘ ایک عرصہ سے چھپ رہی ہے جس میں وقت اور ضرورت کے ساتھ ساتھ ترمیمات بھی ہوتی رہیں۔ گزشتہ سال جب ’’کتاب التوحید (جلد اوّل)‘‘ نئی ترتیب اور اضافی ابواب کے ساتھ زیورِ طباعت سے آراستہ ہوئی تو بعض احباب نے بوجوہ اس بات کی ضرورت محسوس کی کہ بڑی کتاب چونکہ ہر شخص کی پہنچ میں نہیں ہوتی، لہٰذا اس کے مطالعہ کا دائرہ بھی مخصوص حلقوں تک محدود رہے گا۔ اس لئے دونوں جلدوں کے مشمولات میں سے بعض نہایت مفید اور اہم ابواب کو علیحدہ علیحدہ ٹائٹل کے ساتھ چھوٹے کتابچوں کی صورت میں چھاپ کر مہیا کیا جائے تاکہ خواص کے ساتھ عوام بھی اس اہم ایمانی ابحاث سے مستفید ہو سکے۔ چنانچہ یہ کتاب بھی اس سلسلے کی کڑی ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ ذمہ دار قارئین اس کے مطالعہ سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے عقائد و اعمال کی اصلاح کا سامان کریں گے اور اپنے حلقہ احباب میں بھی اس انمول سلسلہ طباعت کی اشاعت و ترویج کو ممکن بنائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے علم و عمل میں برکت عطا فرمائے۔ (آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ)

(ڈاکٹر علی اکبر قادری)

ڈائریکٹر، فریدِ ملّت رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ

www.MinhajBooks.com

باب اوّل

توحید و شرک

اور

حقیقت و مجاز کا قرآنی تصوّر

www.MinhajBooks.com

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ شریعت میں کسی لفظ کا استعمال اور اس کا کسی امر پر اطلاق بطریقِ حقیقت بھی جائز ہے اور بطریقِ مجاز بھی۔ مگر اس شرط کو ملحوظ رکھنا ہوگا کہ مجاز کا استعمال وہاں کیا جائے جہاں مجاز کا محل ہو۔ ہم اپنی روزمرہ کی گفتگو میں بہت سے امور میں حقیقت و مجاز کے الفاظ کا استعمال کرتے رہتے ہیں۔ ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں مثلاً اگر کسی کا بچہ جاں بہ لب ہو اور ڈاکٹر کے علاج سے اس کی جان بچ گئی تو یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ فلاں ڈاکٹر کے اعجازِ مسیحائی نے میرے بچے کو موت کے منہ میں جانے سے بچا لیا۔ اس اندازِ گفتگو میں حقیقت اور مجاز دونوں بیان ہوئے ہیں۔ درحقیقت بچانے والا تو اللہ تعالیٰ ہے مگر ڈاکٹر شفایابی کا وسیلہ اور ذریعہ بن گیا۔ اس طرح ایک اور مثال ڈرائیور کی ہے، جس کی گاڑی کے نیچے آ کر حادثاتی طور پر بچہ کچلا گیا ہو اور باپ کہے کہ اس ڈرائیور نے میرے بچے کو مار دیا حالانکہ ڈرائیور محض بچے کی حادثاتی موت کا ذمہ دار ہوتا ہے اور حقیقت میں مارنے والی ذات تو اللہ تعالیٰ کی ہے۔ ایسے امور میں حقیقت اور مجاز پر مبنی دونوں الفاظ بولے جاتے ہیں۔ پس دینا، لینا، مارنا، جلانا وغیرہ تمام امور میں حقیقت و مجاز کا استعمال ایک معمول کی بات ہے۔

ا۔ حقیقت و مجاز کے لئے بعض الفاظ کا استعمال

اس ضمن میں بعض الفاظ توسُّل کے پیرائے میں بول دیے جاتے ہیں اور اس سے توکُّل مراد نہیں ہوتا۔ مثلاً کسی کی نسبت کہہ دیا جاتا ہے کہ ’’آپ کی نظرِ کرم، نگاہِ عنایت و توجہ سے میری زندگی کے شب و روز کٹ رہے ہیں‘‘ تو یہ الفاظ مجاز و توسل کے معنی میں ہیں حقیقت کے معنی میں نہیں۔ اس طرح کے بے شمار کلمات، اشعار اور جملے بمعنی توسل بیان ہوتے ہیں بمعنی توکل نہیں۔ حتی کہ اگر کوئی لفظ استعانت اور استغاثہ کے طور پر

حضور نبی اکرم ﷺ کے لئے بھی استعمال ہوگا تو وہ بھی توسُّل کے معنی میں ہوگا توکُّل کے معنی میں نہیں کیونکہ توکل کا اطلاق مستعانِ حقیقی اور فاعلِ حقیقی پر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذاتِ بابرکات ہے اوراسی کی طرف سب امور لوٹائے جاتے ہیں۔

۲۔عبادت میں حقیقی اور مجازی کی تقسیم جائز نہیں

سورۃ الفاتحہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ○

''(اے اللہ) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔''

اس آیتِ کریمہ کے حوالے سے اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس فرمانِ الٰہی کی موجودگی میں ہمارے لئے کسی اور سے مدد لینا جائز نہیں کیونکہ جب ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے اور حقیقی معین و مددگار اللہ تعالیٰ کی ذات کو سمجھتے اور مانتے ہیں تو کسی غیر سے مدد لینے کا کیا جواز ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ صرف عبادت ایک ایسا عمل ہے جس میں حقیقی، مجازی اور استعاراتی تقسیم نہیں کی جاتی۔ عبادت میں سرے سے حقیقت اور مجاز کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اس میں مجاز کا سوال ہی خارج از بحث ہے کیونکہ عبادت یا تو عبادت ہے یا پھر نہیں ہے۔ جبکہ استغاثہ یعنی مدد میں عبادت سے کوئی مماثلت نہیں پائی جاتی، اس کو دو درجوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۱۔ استغاثہ حقیقی

۲۔استغاثہ مجازی

(۱) نظامِ زندگی باہمی مدد و استعانت کے سہارے چل رہا ہے

اس تقسیم کو بہرحال ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے۔ شریعتِ اسلامیہ نے اس طبعی اور مادی دنیا میں زندگی کا انحصار انسانوں کے ایک دوسرے سے باہمی تعامل وتعاون پر رکھا

ہے۔ جہاں ایک دوسرے کی مدد کرنا بھی پڑتی ہے اور مدد لینا بھی پڑتی ہے۔ ہمارے سامنے حضور نبی اکرم ﷺ کا اسوۂ حسنہ بطور معیار موجود ہے۔ آپ ﷺ نے لوگوں کی مدد کی، انہیں کفر و شرک کے اندھیروں سے باہر نکالا اور انسانی زندگی کو اخلاقِ عالیہ سے سنوارا تاکہ وہ نیکوکار انسان، بھلے اور اچھے مسلمان بن جائیں۔ گویا یہ اس امر کی تعلیم ہے کہ امتِ مسلمہ کے افراد کو ایک دوسرے کی مدد کرنا، نصیحت اور خیر خواہی پر مبنی سلوک کرنا عملی طور پر ان کی مدد و استعانت ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے استاد اپنے شاگردوں کی، والدین اپنے بچوں کی، بزرگ نوجوانوں کی اور بھائی بہنوں کی مدد کرتے ہیں۔ اس اعتبار سے ضروری ہے کہ طاقتور کمزور کی مدد کرے، حاکم رعایا کی اور ہمسایہ پڑوسی کی۔ جب تمام دینی اور دنیاوی نظام اس باہمی مدد و استعانت کے سہارے پر چل رہے ہیں تو کس منطق سے اسے شرک تصور کیا جائے؟ اگر ایسا ہو تو پھر یہ سارا نظام درہم برہم ہو جائے اور عقیدۂ توحید محض مذاق بن کر رہ جائے۔

(۲) ملائکہ کو بھی نیابت کے امور سونپے گئے ہیں

فی الحقیقت یہ تمام کائنات ایک دوسرے کی مدد و استعانت کی زنجیر میں بندھی ہوئی ہے انسان تو انسان، ملائکہ کو بھی نیابت کے امور سونپے جاتے ہیں جنہیں قرآن نے مُدَبِّرٰتُ الْاَمْر سے موسوم کیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا○(۱)

’’پھر ان (فرشتوں) کی قسم جو مختلف امور کی تدبیر کرتے ہیں۔‘‘

یہ سب ایک نظام کے تحت ہے جس کے مطابق باہمی مدد و استعانت جائز ہے۔ اس اصول کی روشنی میں انبیاء اور اولیاء سے استعانت کا جواز خود بخود فراہم ہو جاتا ہے۔

(۱) النازعات، ۷۹:۵

۳۔ حقیقت و مجاز کے اطلاق کی ممکنہ صورتیں

عملی زندگی میں حقیقت و مجاز کے اطلاق کی ممکنہ صورتیں تین ہوسکتی ہیں:

۱۔ بعض ایسے امور ہیں جن میں حقیقت و مجاز کی تقسیم قابلِ عمل نہیں۔ ان مبنی بر حقیقت امور میں کسی امر کے لئے مجاز ثابت کرنے کی گنجائش ہی نہیں ہوتی۔ اس کی ایک مثال عبادت کی ہم دے چکے ہیں جس میں حقیقی اور مجازی کی تقسیم جائز نہیں۔

۲۔ بعض ایسے امور ہیں جن میں حقیقت و مجاز کی تقسیم ممکن تو ہے مگر تقسیم کی ضرورت اس لئے نہیں پڑتی کہ جو امور اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں وہ اس کی شان کے لائق ہیں اور اسی طرح جو امور مخلوق کے لئے ثابت ہیں وہ ان کے حسبِ حال ہیں۔

۳۔ بعض امور ایسے ہیں جن کا اثبات اللہ تعالیٰ کے لئے بھی ہے اور مخلوق کے لئے بھی مگر جب ان کی نسبت اللہ تعالیٰ سے ہوگی تو وہ حقیقی معنی میں ہوں گے اور جب مخلوق کے لئے ہوں گے تو وہ مجازی معنی میں ہوں گے جیسے انبیاء و اولیاء سے مدد طلب کرنا وغیرہ۔

ہمارا المیہ یہ ہے کہ بعض لوگ توحید سے متعلق چند آیات سیاق و سباق سے جدا کر کے لے لیتے ہیں اور ان کا اطلاق ایسے امور پر بھی کر دیتے ہیں جہاں حقیقت و مجاز کی تقسیم لازم ہے۔ اس سے لامحالہ مغالطہ پیدا ہوتا ہے پس ضروری ہے کہ ہم حقیقت و مجاز پر مبنی ہر حکم کو اس کی حقیقت اور حیثیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے دیکھیں اور اس پر عمل پیرا ہوں۔ یہاں پر قرآن مجید کی آیات سے حقیقت و مجاز کے استعمال اور اطلاق کے نمونہ کی آیات ملاحظہ کیجئے۔

۴۔ حقیقت و مجاز کا اطلاق قرآن حکیم کی روشنی میں

(۱) لفظِ ''خَلق'' کا استعمال اللہ تعالیٰ اور مخلوق دونوں کے لئے

قرآنِ حکیم میں بعض مقامات پر حقیقت و مجاز کا صراحۃً استعمال کیا گیا ہے اللہ

تعالٰی نے فرمایا:

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ط(۱)

''خبردار! (ہر چیز کی) تخلیق اور حکم و تدبیر کا نظام چلانا اسی کا کام ہے۔''

دوسرے مقام پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہے:

اَنِّیْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ. (۲)

''میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی شکل جیسا (ایک پتلا) بناتا ہوں۔''

پہلی آیتِ کریمہ میں اللہ رب العزت نے اپنے لئے ''خَلق'' اور دوسری آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنے لئے ''خَلق'' کا لفظ استعمال کیا۔ یہاں یہ بات ملحوظ خاطر رکھنی ضروری ہے کہ لفظِ ''خلق'' پہلی جگہ حقیقی معنی میں اور دوسری جگہ مجازی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

یہ اسلوبِ قرآنی ہے کہ کبھی فعل کو دن کی طرف، کبھی زمانے کی طرف، کبھی حالات کی طرف اور کبھی کسی برگزیدہ بندے کی طرف منسوب کر دیتا ہے جیسے اللہ عزوجل کا برگزیدہ بندہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگر زندگی، بینائی اور شفا کا وسیلہ بنے تو ان صفات کو ان کی طرف منسوب کردیا حالانکہ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی شان ہے کہ وہی کسی کو زندگی، موت اور شفا دیتا ہے۔ وہی کسی کو ہدایت دیتا ہے اور کسی کا مقدر گمراہی ٹھہرا دیتا ہے۔ کلام کے اس اسلوب کو کوئی نادان ہی شرک پر محمول کرے گا۔

(۲) لفظِ وَهَّاب کا حقیقی اور مجازی استعمال

حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کی عبادت گاہ کا توسلِ مکانی کرتے ہوئے اپنے بیٹے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے لئے دعا مانگی، اس دُعا کے الفاظ یہ ہیں:

(۱) الاعراف، ۷:۵۴

(۲) آل عمران، ۳:۴۹

قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ○[1]

’’عرض کیا: میرے مولا! مجھے اپنی جناب سے پاکیزہ اولاد عطا فرما، بیشک تو ہی دعا کا سننے والا ہے۔‘‘

دُعا کے الفاظ میں رَبِّ هَبْ لِيْ مذکور ہے جس سے اللہ رب العزت کی شانِ عطا کا بیان ہو رہا ہے۔

اَلْوَهَّابُ اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسی نام سے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا مانگی:

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ○[2]

’’عرض کیا: اے میرے پروردگار! مجھے بخش دے، اور مجھے ایسی حکومت عطا فرما کہ میرے بعد کسی کو میسّر نہ ہو، بیشک تو ہی بڑا عطا فرمانے والا ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ کو ’’اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ‘‘ اے رب! ’’بے شک تو ہی وہاب ہے‘‘ کہہ کر پکارا جائے تو وہ اپنے خزانۂ غیب سے بے نواؤں کو جھولیاں بھر بھر کر نعمتیں عطا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ حقیقی معنوں میں وہاب ہے مگر اس کے وہاب ہونے کی اس صفت کی مجازاً مخلوق کی طرف نسبت بھی جائز ہے جب حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت مریم علیہما السلام کے پاس انسانی شکل و صورت میں آئے تو آپ نے پوچھا تم کون ہو؟ کیوں آئے ہو؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے جواب میں کہا:

اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ○[3]

(۱) آل عمران، ۳:۳۸

(۲) ص، ۳۸:۳۵

(۳) مریم، 19:19

''میں تو فقط تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں، (اس لئے آیا ہوں) کہ میں تجھے ایک پاکیزہ بیٹا عطا کروں۔''

قرآن حکیم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کا بصورتِ بشری اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مقبول بندی حضرت مریم علیہا السلام کے پاس آنے کو بیان کیا کہ وہ ان کی خلوت گاہ میں حاضر ہوکر گویا ہوئے:

''میں اللہ کا بھیجا ہوا ہوں اور اس لئے آیا ہوں کہ تجھے ایک پاکیزہ بیٹا عطا کروں۔''

صیغۂ واحد متکلم لِاَهَبَ لَکِ کا مفہوم یہ ہے کہ میں ''آپ کو عطا کروں۔''

حضرت مریم علیہا السلام کو جبریل امین علیہ السلام کا یہ کہنا کہ میں تمہیں بیٹا دینے آیا ہوں صرف مجازی معنوں میں ہے کیونکہ حقیقت میں بیٹا دینے والا اللہ رب العزت ہے۔ یہاں جبریلِ امین علیہ السلام بیٹا دینے اور خوشخبری سنانے کا وسیلہ بنے اگرچہ بظاہر انہوں نے یہ عمل اللہ تعالیٰ کی جانب سے مامور کیے جانے پر اپنی طرف منسوب کیا۔ جب اللہ تعالیٰ کسی مخلوق کو اپنا پیغام رساں بنا کر بھیجتا ہے تو اسے اس کام کی ہمت اور طاقت بھی عطا فرماتا ہے۔

مجازی معنی میں جبرائیل علیہ السلام بھی اس لئے وھاب ہیں کہ وھاب اسے کہتے ہیں جو کسی کو کچھ دیتا ہے۔ گو وھاب، اللہ کی صفت ہے اور حقیقت میں وہی ہر نعمت کا دینے والا ہے لیکن اگر مجازی معنوں میں کسی کو وھاب کہہ دیا جائے تو یہ شرک نہ ہوگا۔ جبرائیل امین علیہ السلام نے جب اَنَا رَسُوْلُ رَبِّکِ اللہ کا فرستادہ (رسول) بن کر جو کچھ کہا وہ شرک نہ ہوا اس لیے کہ رب کا نمائندہ بن کر جو کچھ عطا کیا وہ بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ کے حکم اور اذن سے اسی کی عطا ہے۔

(۳) لفظِ رب کا حقیقی اور مجازی استعمال

رب اللہ تعالیٰ کا پہلا صفاتی نام ہے جس کا ذکر قرآن مجید کی پہلی سورت، سورۃ الفاتحہ کی پہلی آیت میں ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ○[1]

''سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کی پرورش فرمانے والا ہے۔''

یہ ذہن نشین رہے کہ لفظِ رب ایک واضح قطعی اور حتمی صفت ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو قرآن مجید میں جابجا متعارف کرایا ہے۔

لیکن اسی لفظِ رب کو حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہِ مصر کے لئے بھی استعمال کیا۔ ان کی اس گفتگو کو قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا:

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًاج وَ اَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖط قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ○ وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَز فَاَنْسٰهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ○[2]

''اے میرے قید خانہ کے دونوں ساتھیو! تم میں سے ایک (کے خواب کی تعبیر یہ ہے کہ وہ) اپنے مربی (یعنی بادشاہ) کو شراب پلایا کرے گا اور رہا دوسرا (جس نے سر پر روٹیاں دیکھی ہیں) تو وہ پھانسی دیا جائے گا پھر پرندے اس کے سر سے (گوشت نوچ کر) کھائیں گے، (قطعی) فیصلہ کر دیا گیا جس کے بارے میں تم دریافت کرتے ہو○ اور یوسف (علیہ السلام) نے اس شخص سے کہا

(۱) الفاتحۃ، ۱:۱

(۲) یوسف، ۱۲:۴۱۔۴۲

جسے ان دونوں میں سے رہائی پانے والا سمجھا کہ اپنے بادشاہ کے پاس میرا ذکر کر دینا (شاید اسے یاد آجائے کہ ایک اور بے گناہ بھی قید میں ہے) مگر شیطان نے اسے اپنے بادشاہ کے پاس (وہ) ذکر کرنا بھلا دیا نتیجتاً یوسف (علیہ السلام) کئی سال تک قید خانہ میں ٹھہرے رہےo''

اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں ہے کہ دو افراد حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ قید خانے میں اسیر تھے اور انہوں نے خواب دیکھ کر اپنا خواب سیدنا یوسف علیہ السلام کو سنایا اور اس کی تعبیر چاہی۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے تعبیرِ خواب بتا دی ان میں سے ایک کو کہا کہ وہ اپنے رب یعنی بادشاہ کو شراب پلایا کرے گا اور اسی رہائی پانے والے شخص سے یہ بھی کہا کہ مجھے ایک معینہ مدت کے لئے قید میں ڈالا گیا تھا جو گزر گئی ہے تم قید سے رہائی پانے کے بعد اپنے رب یعنی آقا سے جو مجھے بھول گیا ہے میرا ذکر کرنا کہ میں مدتِ قید پوری کرنے کے بعد بھی جیل میں پڑا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کے پیغمبر سیدنا یوسف علیہ السلام نے مذکورہ قیدی سے بادشاہِ مصر کا ذکر کرتے ہوئے دو مرتبہ لفظِ رب استعمال کیا حالانکہ یہ علاقائی زبان میں روزمرہ گفتگو کا لفظ تھا اور رہائی پانے والے قیدیوں میں متداول نہ تھا، وہ اسے بادشاہ اور آقا وغیرہ کہتے تھے اور حقیقی معنوں میں یہی کہنا چاہئے تھا۔ لیکن حضرت یوسف علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر نے استعاراتی اور مجازی معنی میں لفظِ ''رب'' بادشاہ کے لئے استعمال کیا جو اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ کسی کو مجازی طور پر رب کہنا بھی شرک نہیں۔

پھر یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس لفظ کی ممانعت میں صراحتاً اور وضاحتاً کچھ نہیں کہا اور نہ ہی اس کی کوئی ضرورت سمجھی کیونکہ اس علاقے کی روزمرہ زبان میں بادشاہ کے لئے ''رب'' کا لفظ استعمال کرنا معمول بن چکا تھا۔ اس قسم کی وضاحت طلب کرنا ان لوگوں کا کام ہے جن کا شعار ہی لفظوں کی کھال اتار کر لوگوں کو خواہ مخواہ شرک سے مطعون کرنا ہے۔

آگے قرآن مجید میں رہائی پانے والے قیدی کے حوالے سے بیان ہے کہ

اسے بھی شیطان نے بادشاہ کے سامنے حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر کرنا بھلا دیا۔ اس مقام پر اللہ رب العزت نے خود بھی بادشاہ کے لئے لفظِ ''رب'' ارشاد فرمایا ہے جو آیت کے الفاظ ذِكْرَ رَبِّهٖ سے واضح ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ حقیقی رب اللہ تعالیٰ نے عزیزِ مصر یا بادشاہِ مصر جو ایک عام انسان تھا کے لئے اپنی صفت ''رب'' کا استعمال مجازاً فرمایا تو کسی مربی کو رب کہنا شرک نہیں ہوتا ورنہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہرگز بادشاہِ مصر کو قرآن میں ''رب'' کے لفظ سے نہ پکارتا۔

اسی طرح مجازی معنی میں والدین اپنی اولاد کے لئے بمنزلہ رب ہیں کہ وہ ان کی پرورش کے ذمے دار ہیں۔ والدین کے حق میں ایک دعائیہ التجا کی قرآن مجید نے تلقین کی ہے جو اس طرح ہے:

وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًاo (1)

''اور (اللہ کے حضور) عرض کرتے رہو اے میرے رب! ان دونوں (میرے والد اور والدہ) پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے بچپن میں مجھے (رحمت و شفقت سے) پالا تھا۔''

اس دعا میں کائنات کے خالق و مالک پروردگار سے التجا کی جا رہی ہے کہ اے میرے رب تو میرے والدین کو اپنے رحم اور لطف و کرم سے اس طرح نواز جس طرح وہ صغرِ سنی میں میرے لئے رب (پرورش کرنے والے) بنے، شیر خوارگی اور طفلی کے ان ایام میں انہوں نے مجھے پالا پوسا اور اپنی ربوبیت کے دامن میں لے لیا اور میری ضروریات و حاجات کو پورا کرتے رہے۔ اس آیتِ کریمہ میں رَبَّيٰنِيْ کے الفاظ قابلِ غور ہے جس کی تلقین خود رب العالمین نے فرمائی ہے۔

لفظِ رب اسی طرح اساتذہ کے لئے بھی بولا جاتا ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کی روحانی اور اخلاقی پرورش اور تربیت کے ذمہ دار ہیں۔ رب ہونے کے یہ معانی مجازی و

---

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۴

استعاراتی ہیں۔ مفہوم بدل جانے سے ایسا کہنے میں شرک کا کوئی احتمال اور شائبہ نہیں رہتا۔

ایک سبق آموز علمی نکتہ

قرآن کی رو سے جیسے بادشاہ کے لئے رب کا لفظ مجازاً کہہ دینے سے وہ حقیقی رب نہیں بن جاتا۔ اسی طرح سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کو غوث الاعظم اور حضرت علی ہجویریؒ کو داتا گنج بخش کہہ دینے سے شرک نہیں ہوتا کیونکہ غوث اور داتا رب سے بڑے الفاظ نہیں ہیں جو مجازاً بول دیے جاتے ہیں۔ اس طرح ''یَا اَکْرَمَ الْخَلْقِ اور یَارَسُوْلَ اللهِ اُنْظُرْ حَالَنَا'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے توسل اور استغاثہ کے لئے مجازی معانی میں استعمال ہوتے ہیں اور کبھی اس سے وہ حقیقی معنی مراد نہیں لئے جاتے جو اللہ تبارک و تعالیٰ کیلئے خاص ہیں۔

(۴) ایمان میں زیادتی کی نسبت آیاتِ الٰہی کی طرف

ایمان میں زیادتی کا حقیقی سبب اللہ رب العزت کی ذات وحدہ لاشریک ہے مگر آیاتِ قرآنی کی طرف ایمان کی زیادتی کو منسوب کیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا:

وَ اِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ○(۱)

''اور جب ان پر اس (اللہ) کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ (کلام محبوب کی لذت انگیز اور حلاوت آفریں باتیں) ان کے ایمان میں زیادتی کر دیتی ہیں اور وہ (ہر حال میں) اپنے رب پر توکل (قائم) رکھتے ہیں (اور کسی غیر کی طرف نہیں تکتے)۔''

یہاں ان آیات کی طرف ایمان میں زیادتی کی نسبت مجاز عقلی ہے کیونکہ ایمان میں زیادتی کا سبب درحقیقت خود اللہ عزوجل کی ذات ہے۔ آیتیں محض ایمان بڑھانے کا ذریعہ اور سبب بنتی ہیں۔

(۱) الانفال، ۸:۲

۵۔ حقیقتاً ھادِی اور مُضِل ذاتِ باری تعالیٰ ہے

قرآن مجید نے انتہائی بلیغ انداز سے ایک اہم بات سورۃ البقرۃ کی آیت میں صراحت سے بیان کر دی ہے۔ اِرشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللہَ لَا یَسْتَحْیٖٓ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَۃً فَمَا فَوْقَھَا ط فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَیَعْلَمُوْنَ اَنَّہُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّھِمْ ج وَ اَمَّا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَیَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللہُ بِھٰذَا مَثَلًا م یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا وَّ یَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا ط وَمَا یُضِلُّ بِہٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِیْنَ o(۱)

’’بے شک اللہ اس بات سے نہیں شرماتا کہ (سمجھانے کے لئے) کوئی بھی مثال بیان فرمائے (خواہ) مچھر کی ہو یا (ایسی چیز کی جو حقارت میں) اس سے بھی بڑھ کر ہو، تو جو لوگ ایمان لائے وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ مثال ان کے رب کی طرف سے حق (کی نشاندہی) ہے، اور جنہوں نے کفر اختیار کیا وہ (اسے سن کر یہ) کہتے ہیں کہ ایسی تمثیل سے اللہ کو کیا سروکار؟ (اس طرح) اللہ ایک ہی بات کے ذریعے بہت سے لوگوں کو گمراہ ٹھہراتا ہے اور بہت سے لوگوں کو ہدایت دیتا ہے، اور اس سے صرف انہی کو گمراہی میں ڈالتا ہے جو (پہلے ہی) نافرمان ہیں۔‘‘

اللہ کی ذات ہی ھَادِی اور مُضِل ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ یہ بھی اللہ رب العزت کے صفاتی اسماء ہیں۔ ہدایت سے سرفراز کرنا اور شامتِ اعمال سے گمراہی میں مبتلا کر دینا صفاتِ الٰہیہ ہیں۔

جس طرح یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی صفات ہیں اس طرح ان کا اطلاق انسانوں پر بھی کیا جا سکتا ہے جو بعض کو ہدایت سے ہمکنار اور بعض کو ضلالت وگمراہی سے دوچار

(۱) البقرۃ، ۲:۲۶

کر دیتے ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ ہادی ہیں، اس بارے میں ارشادِ ربانی ہے:

وَاِنَّکَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍo [۱]

’’اور بے شک آپ ہی صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت عطا فرماتے ہیں۔‘‘

جبکہ مضلین (گمراہ کرنے والوں) کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ قَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ وَ لَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًاo [۲]

’’اور واقعی انہوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کیا، سو (اے میرے رب!) تو (بھی ان) ظالموں کو سوائے گمراہی کے (کسی اور چیز میں) نہ بڑھا۔‘‘

سورۂ نوح کی اس آیت میں کہا گیا ہے کہ ان لوگوں نے بہت ساروں کو گمراہ کیا ہے۔ حقیقت میں دیکھا جائے تو گمراہ تو وہ خود ہو رہے ہیں دوسروں کو کیا گمراہ کریں گے۔ اس آیت سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ ہدایت دینے کی طرح گمراہ کرنا بھی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جسے ان گمراہوں سے اس لئے منسوب کیا گیا کہ وہ گمراہی کا وسیلہ اور ذریعہ بن رہے ہیں اس لئے یہ لفظ مجازاً ان کے لئے استعمال ہوا ہے۔

آگے اسی سورۂ نوح میں حضرت نوح علیہ السلام کی اللہ کے حضور التجا کا ذکر ہے:

اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَ لَا يَلِدُوْا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًاo [۳]

’’بیشک اگر تو اُنہیں (زندہ) چھوڑے گا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کرتے رہیں گے، اور وہ بدکار (اور) سخت کافر اولاد کے سوا کسی کو جنم نہیں دیں گے۔‘‘

حضرت نوح علیہ السلام عرض گزار ہیں کہ اے رب کریم! اگر ان کو ڈھیل دی گئی تو یہ راہ راست پر نہیں آئیں گے اور اپنی اولاد کو ورثہ میں گمراہی کے سوا کچھ نہیں دیں گے۔

(۱) الشوریٰ، ۴۲:۵۲

(۲) نوح، ۷۱:۲۴

(۳) نوح، ۷۱:۲۷

یعنی اس آیت کریمہ میں بھی ان گمراہوں کو مضل کہا حالانکہ گمراہ تو حقیقتاً اللہ تعالیٰ ٹھہراتا ہے مگر چونکہ وہ گمراہی کا سبب بنتے ہیں اس لئے اِضلال کی نسبت ان کی طرف کی گئی۔

۶۔ فعل ’’یَجْعَلُ‘‘ کی نسبت یومِ حساب کی طرف

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًاo[1]

’’اگر تم کفر کرتے رہو تو اُس دن (کے عذاب) سے کیسے بچو گے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔‘‘

یومِ حساب کی ہولناکیوں کے حوالے سے قرآن مجید نے بیان کیا کہ وہ دن بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔ یہاں دن کو بوڑھا کر دینے کا سبب قرار دیا گیا ہے حالانکہ قیامت کی ہولناکیاں، حساب و کتاب، غم و اندوہ اور خوف انسان کو بوڑھا کر دینے کا سبب بنیں گے جو مُسبَّب ہیں اور ان کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ اس آیت میں مسبِّب کی بجائے سبب کو بیان کیا گیا ہے۔ قرآن کے اسلوبِ بیان سے پتا چلا کہ استعاراتی اور مجازی معنی میں کسی چیز کو بیان کرنا جائز ہے اور مسبب کی بجائے سبب کی طرف کسی چیز کو منسوب کرنا شرک نہیں ہوتا۔

۷۔ عام معاشرتی زندگی میں حقیقت و مجاز کا استعمال

ہماری روزمرہ زندگی کا مشاہدہ ہے کہ بعض لوگ اپنے اختیارات کسی دوسرے شخص کو سونپ دیتے ہیں جس کو بروئے کار لا کر مختلف لوگوں سے کام کرائے جاتے ہیں مثلاً ٹھیکیدار کسی سڑک اور عمارت کا کام مزدوروں سے کرواتا ہے تو محاورۃً بول دیا جاتا ہے کہ فلاں نے یہ عمارت بنائی اور فلاں کام سرانجام دیا حالانکہ درحقیقت کرنے والے کوئی اور لوگ ہوتے ہیں۔ اس روزمرہ کے معمول کے محاورہ کو قرآن نے بھی استعمال کیا ہے

(۱) المزمل، ۷۳:۱۷

جیسے فرعون نے ہامان کو یہ حکم دیا:

یٰهَامَانُ ابْنِ لِیْ صَرْحًا.(۱)

’’اے ہامان! تو میرے لئے ایک اونچا محل بنا دے۔‘‘

اس میں ہامان کی طرف عمارت بنانے کی نسبت مجازِ عقلی ہے کیونکہ وہ سبب اور حکم دینے والا ہے خود بنانے والا نہیں۔ حقیقت میں بنانے والے تو اس کے عُمّال اور مزدور ہیں۔ احادیثِ مبارکہ میں بھی اس طرح کی بے شمار مثالیں موجود ہیں، حقیقی و مجازی کے فرق سے آشنا شخص ان کو بہ خوبی جانتا ہے۔

صحیح عقیدہ یہی ہے کہ بندوں کا اور ان کے افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ ہر فعل اور ہر امر میں نتیجہ خیزی کی باعث اللہ ہی کی ذات ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی خواہ اس کا شمار زندوں میں ہو یا فوت شدہ لوگوں میں، کسی چیز میں دخیل و کفیل نہیں۔ یہی عقیدہ خالص توحید ہے اور اس کے علاوہ اگر کوئی اور عقیدہ رکھتا ہے تو وہ شرک میں مبتلا ہے۔

۸۔ افعال و اعمال میں نسبتِ مجازی و حقیقی کا لحاظ

بہت سے گمراہ فرقے قرآن کے ظاہری لفظ سے دھوکہ کھا گئے اور انہوں نے قرآن میں بیان کردہ مجازی و حقیقی قرائن کے فرق کو مدّنظر نہ رکھا اور آیاتِ قرآنی کے ظاہری تعارض کو تطبیق سے دور کرنے کی کوشش نہ کی مثلاً:

۱۔ **خلقِ قرآن کا فتنہ پھیلانے والے** اللہ تعالیٰ کے قول **اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا** (الزخرف، ۴۳:۳) ’’بے شک ہم نے اسے عربی (زبان کا) قرآن بنایا ہے۔‘‘ کے ظاہری الفاظ سے ٹھوکر کھا گئے اور گمراہ ہو کر خلقِ قرآن کا عقیدہ گھڑ لیا۔

۲۔ **فرقہ قدریہ** اللہ تعالیٰ کے قول **وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ** (الشوریٰ، ۴۲:۳۰) ’’اور جو مصیبت بھی تم کو پہنچتی ہے تو اس (بداعمالی) کے سبب

(۱) المؤمن، ۴۰:۳۶

سے ہی (پہنچتی ہے) جو تمہارے ہاتھوں نے کمائی ہوتی ہے۔‘‘ اور **فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ** (المائدۃ، ۵:۱۰۵) ’’پھر وہ تمہیں ان (کاموں) سے خبر فرما دے گا جو تم کرتے رہے تھے‘‘ کے ظاہری الفاظ سے دھوکہ کھا گئے۔

۳۔ **فرقہ جبریہ والوں** نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد **وَاللهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ** (الصافات، ۳۷:۹۶) ’’حالانکہ اللہ نے تمہیں اور تمہارے (سارے) کاموں کو خلق فرمایا‘‘ اور **وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللهَ رَمٰى** (الانفال، ۸:۱۷) ’’اور (اے حبیبِ محتشم!) جب آپ نے (ان پر سنگریزے) مارے تھے (وہ) آپ نے نہیں مارے تھے بلکہ (وہ تو) اللہ نے مارے تھے‘‘ کے ظاہری الفاظ سے غلط نتیجہ اخذ کیا اور راہِ راست سے بھٹک گئے۔

ان غلط فہمیوں کا ازالہ کرنا ضروری ہے۔ واضح رہے کہ تمام امت کا سوائے فرقہ قدریہ کے اس عقیدے پر اجماع ہے کہ بندوں کے افعال و اعمال اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ایک طرف ارشاد ہے **وَاللهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ** اور دوسری طرف ارشادِ ربانی ہے **وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللهَ رَمٰى** ان اقوالِ ربّانی کے مقاصد کے پیشِ نظر یہ جائز ہے کہ کسی فعل کی نسبتِ اکتساب بندہ کی طرف کر دی جائے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے **لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ** (البقرۃ، ۲:۲۸۶) ’’اس (جان) نے جو نیکی کمائی اس کے لئے اس کا اجر ہے اور اس نے جو گناہ کمایا اس پر اس کا عذاب ہے‘‘ نیز **بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ** کے علاوہ اور آیات میں بھی کسب کی اضافت بندہ کی طرف صراحتاً کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا صاحبِ قدرت ہونا اس عالم کے وجود میں آنے سے پہلے سے ثابت ہے۔ کسی کے فعل کے کسب پر قادر ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اس کا خالق بھی ہے، صحیح عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بالذات قدرت اور بندے کو حاصل شدہ قدرت میں حقیقت و مجاز کا فرق ہے کیونکہ بندے کی قدرت کو وجود میں لانے والا اللہ تبارک و تعالیٰ ہی ہے۔

۹۔ بندوں کی طرف منسوب اکتسابِ افعال کی نسبت

مذکورہ بالا بحث سے یہ ثابت ہوا کہ کسی کام پر قادر ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ کام وجود میں بھی آ جائے۔ بندوں کی طرف کسی فعل کی نسبت بطورِ کسب کے ہوتی ہے جس کی بنا پر بندے اس فعل کی قدرت رکھتے ہیں نہ کہ وہ اس فعل کو عدم سے وجود میں لانے پر قادر ہیں۔ حقیقت میں افعال کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہی ہے، اسی کے قبضہ میں بندوں اور ان کے افعال کی تقدیر ہے۔ وہی اپنے بندوں کو ان کے کرنے کا حکم بھی دیتا ہے۔ اس کے لئے کوئی چیز وجود میں لانا مشکل نہیں۔ جس چیز سے اللہ تعالیٰ منع فرما دے تو اس کی مشیت کے برعکس کون ہے جو اسے وجود میں لا سکے؟ حکم تو ارادے کا مغائیر ہے مثلاً اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو ایمان لانے کا حکم دیا لیکن اس کی یہ مشیت بھی ہے کہ سب مؤمن نہ ہوں جیسا کہ قرآن میں فرما دیا:

وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَo(۱)

”اور اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ اگرچہ آپ (کتنی ہی) خواہش کریں۔“

پس بندوں کی طرف ان کے اکتسابِ افعال کی نسبت کرنا ایسے ہی ہے جیسے مسبب کی نسبت واسطہ یا سبب کی طرف کردی جائے اور اس میں کچھ تضاد نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اسباب پیدا کرنے والا یعنی مسبب الاسباب ہے، وہی واسطہ کو پیدا کرنے والا ہے اور اسی نے واسطہ میں وساطت کی صلاحیت رکھی ہے۔ اگر اللہ عزوجل وساطت کی صلاحیت نہ رکھتا تو وہ واسطہ کیسے بن سکتا تھا؟ اس وساطت کا تعلق چاہے غیر ذوی العقول یعنی غیر ذی شعور اشیاء سے ہو جیسے جمادات، افلاک، باد و باراں اور آگ وغیرہ یا اہلِ عقول سے ہو جیسے فرشتے، انسان و جن لیکن ہوتا وہی ہے جو اس کی مشیت میں ہو۔

(۱) یوسف، ۱۲:۱۰۳

۱۰۔ لفظاً و معناً مفعول کی جدا جدا نسبت

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ ایک ہی فعل کی نسبت دو فاعلوں کی طرف کرنا عقل و منطق کے خلاف ہے کیونکہ اس سے ایک ہی اثر پر دو مؤثر عاملوں کا اجتماع لازم آتا ہے جو محال ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض اس وقت صحیح ہو گا جبکہ دونوں فاعلوں کی فاعلیت متحد ہو لیکن جب دونوں کی فاعلیت ایک نہ ہو تو اس صورت میں مفعول کی مفعولیت معناً دونوں کے درمیان علیحدہ علیحدہ ہو گی اور اس صورت میں فعل کی نسبت، دونوں کی طرف ممتنع نہ ہو گی جیسا کہ اسماء مشترکۃ المعنی کا فرق حقیقت و مجاز کے استعمال سے ظاہر ہے مثلاً کہا جاتا ہے قتل الأمیر فلاناً اور قتل السّیّاف ’’اس کو امیر نے قتل کیا اور اس کو جلاد نے قتل کیا‘‘ اس طرح جلاد کو بھی ایک اعتبار سے قاتل کہا جا سکتا ہے اور دوسرے اعتبار سے امیر کو بھی قاتل کہا جا سکتا ہے کیونکہ قتل کا تعلق دونوں سے ہے اگرچہ ایک ہی فعل کا عمل دو مختلف اعتبار سے ہے لیکن دونوں کو فاعل کہنا صحیح ہے۔

۱۱۔ اللہ اور مخلوق سے منسوب امورِ مشترکہ

یہی حال کسی ایک مقدور کے دو قدرتوں سے متعلق ہونے کا بھی ہے۔ اس کے جواز و وقوع کی دلیل وہ امور ہیں جن کی نسبت خود اللہ تعالیٰ نے کبھی ملائکہ کی طرف، کبھی بندں کی طرف اور کبھی اپنی ذات کی طرف کی ہے۔ اس کی چند مثالیں بطورِ نمونہ ملاحظہ کیجئے۔

سورۃ الزمر میں ارشاد فرمایا:

اَللهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا.(۱)

’’اللہ جانوں کو ان کی موت کے وقت قبض کر لیتا ہے۔‘‘

یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ وہ روحوں کو قبض کرتا ہے اس لئے یہاں اس فعل کو اپنی طرف منسوب کیا ہے جبکہ سورۃ السجدۃ میں فرمایا:

---

(۱) الزمر، ۴۲:۳۹

قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِىْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ۝ (۱)

’’آپ فرمادیں کہ موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے تمہاری روح قبض کرتا ہے پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔‘‘

اس آیتِ مبارکہ میں جانیں قبض کرنے کی نسبت ملک الموت حضرت عزرائیل علیہ السلام کی طرف کی گئی جو جانیں قبض کرنے پر مامور ہے۔ ایک ہی بات تھی۔ ایک جگہ فاعل مذکور ہے اور دوسری جگہ وہ حذف ہے۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ جب جانیں عزرائیل قبض کرتا ہے تو اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ کا کیا مطلب ہے؟ اس کی وضاحت یوں ہے کہ دراصل اللہ تعالیٰ یہاں یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ جانیں قبض کرنا حقیقتاً تو میرے قبضۂ قدرت میں ہے لیکن اس کے لئے میں نے اپنے فرشتے عزرائیل کو مامور کیا ہے لہٰذا ان سب باتوں کو شرک ہونے سے مجاز نے بچا لیا اور شرک کا امکان ہی باقی نہ رہا جو لوگ وسیلہ کو نہیں مانتے انہیں عالم نزع میں عزرائیل کو کہنا چاہیے کہ میں تو وسیلہ اور ذریعہ کو نہیں مانتا تم چلے جاؤ اللہ تعالیٰ خود آئے اور میری جان قبض کرے۔ ایسا نکتہ نظر رکھنا سوائے جہالت اور لاعلمی کے کچھ نہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ملک الموت کا دلچسپ واقعہ

بعض متشدد نقطہ نظر رکھنے والے لوگوں کو مندرجہ ذیل واقعہ پر خود غور و فکر کر کے فیصلہ کرنا چاہیے کہ اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے۔

صحیح البخاری (کتاب الجنائز، باب من أحب الدفن فی الأرض المقدسة أو نحوها، ۱: ۴۴۹، رقم: ۱۲۷۴) اور صحیح مسلم (کتاب الفضائل، باب من فضائل موسی، ۴: ۱۸۴۲، رقم: ۲۳۷۲) کی متفق علیہ روایت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں منقول ہے کہ ان کے پاس ملک الموت انسانی شکل میں روح قبض کرنے آئے تو

(۱) السجدة، ۳۲: ۱۱

آپ علیہ السلام نے کسی سبب سے ملک الموت کو ایک طمانچہ مارا اور اس کی آنکھ نکال دی۔ ملک الموت انسانی شکل میں تھے اس لیے ان کی آنکھ نکل گئی کیونکہ قاعدہ ہے کہ جس ہیئت میں کوئی ہوتا ہے اس پر اسی ہیئت کے احوال وارد ہوتے ہیں۔

وہ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوگئے اور عرض کیا: اَرْسَلْتَنِیْ اِلٰی عَبْدٍ لَا یُرِیْدُ الْمَوْتَ ''باری تعالیٰ آپ نے مجھے ایسے بندے کی طرف بھیج دیا جو مرنا ہی نہیں چاہتا۔'' اس نے میری آنکھ پھوڑ دی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا دوبارہ جاؤ لیکن یہ نہ کہنا کہ میں آپ کی جان قبض کرنے آیا ہوں کیونکہ بارگاہِ انبیاء کے آداب ہوتے ہیں۔ میرے برگزیدہ نبی موسیٰ سے پہلے اجازت طلب کرنا اور پھر ان کی روح قبض کرنا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملک الموت حضرت عزرائیل کو یہ ادب کیوں سکھایا وہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے تک ۷۰ ہزار انبیاء کی روحیں قبض کر چکے تھے پہلے بھی بڑے جلالی نبی آئے لیکن کسی نے تھپڑ نہیں مارا تھا، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں کیا؟ اس لئے کہ انہیں خبر تھی کہ آخر میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم الانبیاء علیہ السلام آنے والے ہیں جن کی شان اور عظمت کا کوئی اندازہ ہی نہیں کر سکتا۔ جب ان کے وصال مبارک کا وقت آ جائے تو عزرائیل (علیہ السلام) کو بارگاہِ نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے آداب معلوم ہوں۔

درج بالا حدیثِ مبارکہ میں حضرت عزرائیل علیہ السلام کے یہ الفاظ قابل توجہ ہیں ''لا یرید الموت'' (وہ بندہ مرنا ہی نہیں چاہتا) کہنے کا مطلب یہ ہے کہ مرنا نہ مرنا اس بندۂ مرتضٰی کے اختیار میں ہے یعنی زندگی یا موت کا اختیار بندے کو سونپ دیا گیا۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

لَا یَمُوْتُ نَبِيٌّ حَتّٰی یُخَیَّرَ بَیْنَ الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ.(۱)

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب المغازی، باب مرض النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ووفاته، ۴: ۱۶۱۲، رقم: ۴۱۷۱

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب فضائل الصحابة، باب فضل عائشة، ۴: ۱۸۹۳، رقم: ۲۴۴۴

''ہر نبی کو اس کے وصال سے پہلے یہ اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ چاہے تو اپنی مرضی سے واصلِ بہ حق ہو جائے اور اگر چاہے تو مزید دنیا میں قیام کرے۔''

ایک روایت میں ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا مجھے بھی یہ اختیار دیا گیا لیکن میں نے اپنے رب سے ملاقات کرنے کو اختیار کیا ہے۔(۱)

امورِ مشترکہ کی چند مزید مثالیں

۲۔ سورۃ الانبیاء میں اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے روح پھونکنے کے عمل کو اپنی طرف منسوب کر کے ارشاد فرمایا:

فَنَفَخۡنَا فِيۡهَا مِنۡ رُّوۡحِنَا. (۲)

''پھر ہم نے اس میں اپنی روح پھونک دی۔''

حالانکہ روح پھونکنے پر حضرت جبرئیل علیہ السلام مامور تھے اور وہ اس فعل کے فاعلِ حقیقی نہیں تھے۔

۳۔ سورۃ القیامۃ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے وحی سنانے کو اپنی طرف منسوب کر کے فرمایا:

فَاِذَا قَرَاۡنٰهُ فَاتَّبِعۡ قُرۡاٰنَهٗ. (۳)

''پھر جب ہم اسے (زبانِ جبرائیل سے) پڑھ چکیں تو آپ اس پڑھے ہوئے کی پیروی کیا کریں۔''

حالانکہ پڑھنے والے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے جن کی قرأت کے سامع حضور نبی اکرم ﷺ تھے۔

---

(۱) احمد بن حنبل، المسند، ۳:۴۸۸، ۴۸۹

(۲) الانبیاء، ۲۱:۹۱

(۳) القیٰمۃ، ۷۵:۱۸

۴۔ جنگِ بدر میں مسلمانوں اور مشرکینِ مکہ کا آمنا سامنا ہوا۔ کئی کفار مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو کر واصلِ جہنم ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے قتل کرنے کے عمل کی نسبت اپنی طرف کی اور ارشاد فرمایا:

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللهَ رَمٰى ج (۱)

''(اے سپاہیانِ لشکرِ اسلام!) ان کافروں کو تم نے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کر دیا اور (اے حبیبِ محتشم!) جب آپ نے (ان پر سنگریزے) مارے تھے (وہ) آپ نے نہیں مارے تھے بلکہ (وہ تو) اللہ نے مارے تھے۔''

اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ کریمہ میں کفار کے قتل کی نفی کر کے اسے اپنی ذات سے منسوب کیا اور اپنے حبیب ﷺ کے سنگریزے مارنے کی نفی کر کے اس عمل کی نسبت اپنی ذات کی طرف کی۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حسی طور پر نسبتِ قتال کی نفی فرمائی اور حضور نبی اکرم ﷺ کے کنکریاں پھینکنے کے عمل کی نفی فرمائی ہے۔ مسلمانوں کے کفار کو قتل کرنے اور حضور نبی اکرم ﷺ کے کنکریاں پھینکنے کا معنی اور ہے اور اللہ ﷻ کے قتل کرنے اور کنکریاں پھینکنے کا مفہوم کچھ اور۔ اس کا مقصد حقیقت و مجاز کا فرق واضح کرنا اور خلق و تقدیر کا اثبات ہے جس کا مفہوم دو مختلف طریقوں میں بیان کیا گیا۔

۱۲۔ ایک فعل کی بیک وقت خالق اور مخلوق دونوں کی طرف نسبت

قرآن میں ایسے مقامات بھی ہیں جہاں بیک وقت ایک فعل خالق اور مخلوق دونوں کی طرف منسوب ہوا، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللهُ وَرَسُوْلُهٗ لا وَ قَالُوْا حَسْبُنَا اللهُ سَيُؤْتِيْنَا اللهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ رَسُوْلُهٗٓ لا اِنَّآ اِلَى اللهِ رٰغِبُوْنَ ○ (۲)

(۱) الانفال، ۸:۱۷

(۲) التوبة، ۹:۵۹

’’اور کیا ہی اچھا ہوتا اگر وہ لوگ اس پر راضی ہو جاتے جو ان کو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) نے عطا فرمایا تھا اور کہتے کہ ہمیں اللہ کافی ہے۔ عنقریب ہمیں اللہ اپنے فضل سے اور رسول (ﷺ مزید) عطا فرمائے گا۔ بیشک ہم اللہ ہی کی طرف راغب ہیں (اور رسول ﷺ اس کا واسطہ اور وسیلہ ہے، اس کا دینا بھی اللہ ہی کا دینا ہے اگر یہ عقیدہ رکھتے اور طعنہ زنی نہ کرتے تو یہ بہتر ہوتا)۔‘‘

اس آیت میں عطا کرنے کا عمل اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ دونوں کی طرف منسوب ہے۔

ایک حدیثِ مبارکہ میں اسی مضمون کی وضاحت اس طرح بیان ہوئی ہے جسے حضرت حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

يَدْخُلُ الْمَلَکُ عَلَى النُّطْفَةِ بَعْدَ مَا تَسْتَقِرُّ فِي الرَّحِمِ بِأَرْبَعِيْنَ أَوْ خَمْسَةٍ وَ أَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً. فَيَقُوْلُ: يَا رَبِّ أَشَقِيٌّ أَوْ سَعِيْدٌ؟ فَيُکْتَبَانِ. فَيَقُوْلُ: أَيْ رَبِّ أَذَکَرٌ أَوْ اُنْثٰى؟ فَيُکْتَبَانِ. وَيُکْتَبُ عَمَلُهٗ وَأَثَرُهٗ وَأَجَلُهٗ وَرِزْقُهٗ ثُمَّ تُطْوَى الصُّحُفُ فَلَا يُزَادُ فِيْهَا وَلَا يُنْقَصُ. (۱)

’’جب چالیس یا پینتالیس راتوں میں نطفہ رحمِ مادر میں ٹھہر جاتا ہے تو فرشتہ رحمِ مادر میں داخل ہوکر کہتا ہے: اے رب! یہ شقی ہو گا یا سعید؟ پھر ان میں سے ایک لکھ دیا جاتا ہے۔ پھر پوچھتا ہے: اے رب! یہ مذکر ہو گا یا مونث؟ پس اس میں سے ایک کو لکھ دیا جاتا ہے، پھر اس کے اعمال، اثر، مدتِ حیات اور اس کا رزق لکھ دیا جاتا ہے پھر صحیفے لپیٹ دیئے جاتے ہیں اور ان میں کوئی زیادتی ہوتی ہے نہ کمی۔‘‘

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، کتاب القدر، باب کيفية خلق الآدمي فی بطن أمه، ۴: ۲۰۳۷، رقم: ۲۶۴۴

۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۱۶، رقم: ۱۲۱۷۸

اس حدیثِ مبارکہ میں خیر و شر کی تقدیر کا نکتہ بیان ہوا ہے جس کا صدور بہ یک وقت اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

۱۳۔ مختلف الوجوہ فعل کے استعمال میں کوئی تناقض نہیں

بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ کسی فعل کا استعمال مختلف وجوہ سے ہوتا ہے اور ان میں کوئی تناقض بھی نہیں ہوتا، قرآن مجید میں عالَمِ نباتات کی طرف کسی فعل کو منسوب کر دیا جاتا ہے۔ جیسے اس آیت میں ارشادِ ربانی ہے:

تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ط(۱)

''(وہ درخت) اپنے رب کے حکم سے ہر وقت پھل دے رہا ہے۔''

اب ذرا غور کریں تو وہ درخت خود کہاں سے پھل لا سکتا ہے اس کے ثمر آور ہونے کا فعل تو اللہ تعالیٰ نے اس درخت میں فطرتاً پیدا کیا ہے اس مفہوم میں کوئی تعارض اور تناقض نہیں۔ اسی طرح طبرانی اور ابن حبان کی روایت میں ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک آدمی کو کھجور دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ لے لو۔ اگر یہ تمہاری قسمت میں ہے اور تم خود نہ بھی لو تو پھر بھی یہ چل کر تمہارے پاس آ جائے گی۔ کھجور کے چل کر آنے کا مطلب کچھ اور ہے اور آدمی کے چل کر آنے کا مطلب کچھ اور ہے۔ دونوں کی طرف نسبت مجازی ہے۔ آدمی کے چل کر آنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندے میں قدرت و ارادہ پیدا فرما دے گا اور کھجور کے آنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسا سبب پیدا فرما دے گا کہ کوئی اور بندہ کھجور کو اس تک پہنچا دے گا اس طرح حقیقت میں دونوں صورتوں میں اس فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے اور ان میں معنوی طور پر کوئی تناقض نہیں۔

۱۴۔ واسطہ کو مؤثرِ حقیقی اور خالق جاننا کفر ہے

اللہ تعالیٰ نے واسطہ کو پیدا کیا اور اس میں وساطت کی قدرت رکھی ہے لیکن اگر

(۱) ابراہیم، ۱۴: ۲۵

کوئی واسطے کو اصل اور مؤثر حقیقی سمجھنے لگے تو اس سے کفر لازم آتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قارون کو مال و دولت کی فراوانی سے نوازا تو وہ اِترا گیا اور گھمنڈ کرنے لگا کہ شاید یہ میرا کمال ہے۔ اس نے مال و دولتِ کثیرہ کو اپنی محنت اور کوشش کا نتیجہ قرار دیتے ہوئے کہا:

قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِیْ ط(۱)

’’وہ کہنے لگا: (میں یہ مال معاشرے اور عوام پر کیوں خرچ کروں) مجھے تو یہ مال صرف اس (کسبی) علم و ہنر کی بنا پر دیا گیا ہے جو میرے پاس ہے۔‘‘

قارون مال و دولت کی فراوانی سے غرور پر اتر آیا اور یہ سمجھنے لگا کہ یہ مجھے اپنی ذاتی تگ و دو اور ہنرمندی سے ملا ہے حالانکہ اللہ رب العزت نے اسے خزانوں کا مالک بہ طور آزمائش بنایا تھا لیکن وہ مؤثر حقیقی کو بھول گیا، اللہ رب العزت کو اس کا غرور وتکبر پسند نہ آیا اور اسے اس کے خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا اور وہ اپنے اس کفر کے باعث دنیوی اور اخروی عذاب کا مستحق ٹھہرا۔

اس مفہوم کی مزید وضاحت اس ارشادِ نبوی ﷺ سے ہوتی ہے، حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی، اس وقت رات کی بارش کا اثر باقی تھا۔ نماز سے فارغ ہوکر حاضرین کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا:

هَلْ تَدْرُوْنَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ؟ قَالُوْا: اَللهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ. قَالَ: قَالَ: أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِیْ مُؤْمِنٌ بِیْ وَ كَافِرٌ، فَاَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللهِ وَ رَحْمَتِهٖ، فَذٰلِكَ مُؤْمِنٌ بِیْ كَافِرٌ بِالْكَوْكَبِ. وَ أَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا وَ كَذَا فَذٰلِكَ كَافِرٌ بِیْ مُؤْمِنٌ بِالْكَوْكَبِ.(۲)

’’کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

---

(۱) القصص، ۲۸:۷۸

(۲) مسلم، الصحیح، کتاب الإیمان، بیان کفر من قال مطرنا بالنوء، ۱:۸۳، رقم: ۷۱

اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میرے بندوں میں سے بعض کی صبح ایمان پر اور بعض کی صبح کفر پر ہوئی ہے۔ جس شخص نے کہا ہے کہ ہم پر خدا کے فضل اور اس کی رحمت کے باعث بارش ہوئی تو اس نے مجھ پر ایمان رکھا اور ستاروں کا کفر کیا، اور جس نے کہا کہ فلاں ستاروں کی تاثیر سے بارش ہوئی ہے تو اس نے میرا کفر کیا اور ستاروں پر ایمان رکھا۔‘‘

گویا کفر کا باعث یہ زعمِ باطل ہے کہ واسطہ کو مؤثر حقیقی و خالق مانا جائے۔

۱۵۔ واسطہ کے جواز پر سنتِ نبوی ﷺ کا حکم

اس حوالے سے ائمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص فعل کو واسطہ کی طرف منسوب کرتا ہے اور واسطہ کو مؤثر حقیقی نہیں سمجھتا تو اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی کیونکہ واسطہ اور ذریعہ کو ملحوظ رکھنے کا خود شریعت نے حکم دیا ہے۔ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنِ اسْتَعَاذَ بِاللهِ فَأَعِيْذُوْهُ، وَمَنْ سَأَلَ بِاللهِ فَأَعْطُوْهُ، وَمَنْ دَعَاكُمْ فَأَجِيْبُوْهُ، وَمَنْ صَنَعَ إِلَيْكُمْ مَعْرُوْفًا فَكَافِئُوْهُ، فَإِنْ لَمْ تَجِدُوْا مَا تُكَافِئُوْنَهُ فَادْعُوْا لَهُ حَتَّى تَرَوْا أَنَّكُمْ قَدْ كَافَأْتُمُوْهُ. (۱)

’’جو شخص تم سے اللہ تعالیٰ کے نام پر پناہ مانگے تو تم اسے پناہ دے دو، جو اللہ تعالیٰ کے نام پر سوال کرے تو اسے عطا کر دو، جو تمہیں دعوت دے تو اس کی دعوت قبول کرو، جو تمہارے ساتھ احسان کرے تو اس کا بدلہ احسان کے ساتھ دو، اگر تم اس کی نیکی کا بدلہ نہ دے سکو تو اس کے لئے دعا کیا کرو یہاں تک کہ تم اطمینانِ قلب حاصل کرلو کہ تم نے اس کے احسان کا بدلہ چکا دیا ہے۔‘‘

(۱) ابوداؤد، السنن، کتاب الزکاۃ، باب عطیۃ من سأل باللہ، ۲:۱۲۸، رقم: ۱۶۷۲

کسی کے کام آنا اس کی مشکل آسان کرنا اس پر احسان کرنا بلاشبہ نیکی ہے جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ انسان کے انسان پر احسان کا مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ اس احسان کی نسبت موثر مجازی کی طرف کرکے اس کا بدلہ دینے کی کوشش کرنا مستحسن اسلامی اقدار میں سے ہے۔ حضور محسنِ انسانیت ﷺ کا یہ ارشاد کس قدر فطری اصولوں کے قریب ترین ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللهَ. (۱)

''جو شخص لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔''

احسان کا مؤثر مجازی بندہ ہے اور یہی اس احسان کا واسطہ بن رہا ہے، اس واسطہ احسان کا اس قدر خیال رکھنا اس احسان کے مؤثر حقیقی (یعنی اللہ تعالیٰ) کی طرف سے ہونے کے منافی نہیں۔ اگر منافی ہوتا تو حضور نبی اکرم ﷺ مذکورہ بالا انسان کا شکر بجالانے کا حکم نہ فرماتے۔

۱۶۔ ترکِ مجاز سے معانیٔ قرآن میں تطبیق ممکن نہیں رہتی

قرآن حکیم میں اگر ایک فعل کا استعمال مختلف طریق سے ہوتا ہے تو اس کے مختلف معانی ہوتے ہیں۔ پس اگر ہم صرف حقیقت کو لیں اور مجاز کو ترک کر دیں تو مختلف و متفرق نصوص میں تطبیق کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ قول مجازاً منسوب کیا:

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ج (۲)

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب البر، باب فی الشکر، ۴:۳۳۹، رقم: ۱۹۵۵
۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۳:۳۲
۳۔ ابویعلی، المسند، ۲:۳۶۵

(۲) ابراهیم، ۱۴:۳۶

”اے میرے رب! ان (بتوں) نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر ڈالا ہے۔“

کیا اس آیت کے مفہوم پر غور کرنے سے کوئی مؤمن یہ گمان بھی کر سکتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پتھر سے تراشے ہوئے بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا ہو گا۔ العیاذ باللہ ایسا قیاس بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی نفی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کے اس قول سے ہو جاتی ہے جس میں قرآن نے انہیں مشرکین سے مخاطب ہو کر ان (بتوں) معبودانِ باطلہ کے حوالے سے یہ استفسار کرتے ہوئے بیان کیا:

قَالَ اَتَعۡبُدُوۡنَ مَا تَنۡحِتُوۡنَ ○ (۱)

”ابراہیم (علیہ السلام) نے (ان سے) کہا: کیا تم ان (ہی بے جان پتھروں) کو پوجتے ہو جنہیں خود تراشتے ہو۔“

ان دو قرآنی ارشادات کے مفہوم میں کوئی تعارض اور تضاد نہیں۔ بلاشبہ وہ شخص مشرک قرار پائے گا جو غیر اللہ کے کسی عمل کی اختراع اور اس میں پائی جانے والی تاثیر کو اللہ تعالیٰ کا شریک سمجھے۔ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے محبوب و برگزیدہ بندوں جیسے انبیاء و اولیاء یا عام مخلوقاتِ جن و انس، جمادات اور مظاہرِ فطرت میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرائے تو ایسا عقیدہ رکھنے والا شخص مشرک ہو گا البتہ اگر کوئی یہ عقیدہ رکھے کہ مسبب میں سبب کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اور وہی فاعلِ حقیقی ہے تو اس کا ایمان شرک سے محفوظ رہے گا خواہ وہ سبب سمجھنے میں خطا ہی کر جائے۔ کیونکہ اس صورت میں اس کی خطا سبب میں ہو گی نہ کہ مسبّب میں؟ مسبب الاسباب اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔

۱۷۔ معانیٔ قرآن کی تطبیق میں احتیاط

معانی قرآن کی تطبیق میں توحید اور شرک کا فرق سمجھنا ضروری ہے صحیح عقیدہ یہ ہے کہ کسی غیر کو رازق ماننا شرک ہے اسے رزق کا سبب ماننا شرک نہیں۔ محنت کرنے والا کسان، زمین سے رزق پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے نہ کہ مسبب؟ کسان کو رزق کا سبب ماننا شرک نہیں۔ اسی طرح لوگ کسی دفتر، فیکٹری یا کارخانہ میں کام کرتے ہیں اور آجر اور مالک

ان سے کام لیتے ہیں۔ والدین اپنی اولاد کی ولادت کا سبب بنتے ہیں۔ درسگاہوں میں استاد اور معلم علم دینے کا سبب بنتے ہیں جبکہ مسبِّب حقیقی اللہ تعالیٰ ہی رہتا ہے۔ سب سے بڑا عالم اور ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ ساری عطائیں، عزت اور شان و شوکت اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے اور یہ سب کچھ دینے میں وہ خود سبب نہیں بنتا بلکہ مخلوق میں سے کسی کو رزق، علم اور ولدیت کا سبب بناتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وہ ہمیشہ مسبِّب ہی ہوتا ہے۔ سبب نہیں۔ سبب ہمیشہ مخلوق میں سے ہوتا ہے۔ اور اسی سبب کو واسطہ و وسیلہ کا نام دیا جاتا ہے نہ کہ مسبِّب کو، لہٰذا سبب یعنی واسطہ سے توسل ہوتا ہے جبکہ مسبِّب پر توکل ہوتا ہے۔

کسی کو نفع و نقصان کا سبب ماننا شرک نہیں

کسی اور کو اللہ تعالیٰ کے سوا نفع و نقصان کا سبب اور ذریعہ ماننا توحید کی نفی نہیں۔ توحید کی نفی اور شرک تو تب ہوگا جب کسی اور کو مسبِّب حقیقی مانا جائے۔ کوئی مسلمان از روئے عقیدہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو مسبِّب حقیقی نہیں مانتا حتی کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ تک رسائی کے لئے صرف وسیلہ، ذریعہ اور سبب مانا جاتا ہے اس آخری حد سے اوپر کوئی نہیں جاتا۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کہ اللہ رب العزت نے زمین میں کسی کے رزق کا مالک ہونے کی نفی کی ہے رزق کا وسیلہ، سبب اور ذریعہ بننے کی نفی نہیں کی۔

اللہ تعالیٰ جیسے مالکِ رزق ہے ویسے وہ مالکِ نفع و ضرر بھی ہے۔ قرآن حکیم نے نقصان کا سبب، باعث، وسیلہ یا ذریعہ ہونے کی نفی نہیں کی۔ وسیلہ کی نفی اس وقت ہو گی جب اللہ تعالیٰ کے سوا ان امور کا مالک دوسروں کو مانا جائے اس کی مثال یوں ہے کہ سانپ نے کاٹ لیا تو سانپ نقصان کا سبب یا باعث بنا، ڈاکٹر کی دوا سے کسی مرض سے شفایابی ہوئی تو وہ شفا کا سبب بن گیا مگر نہ ڈاکٹر اور دوائی نفع یا شفا کے مالک ہیں اور نہ سانپ یا زہر نقصان کے مالک ہیں یہاں سببیت کی نہیں بلکہ مالکیت کی نفی ہے۔

باب دُوُم

توحید و شرک

اور

صفات و افعال میں اشتراک

- اَسماء و صفات میں اِشتراک کی مثالیں
- اَفعال میں اِشتراک کی مثالیں
- خالق اور مخلوق کی مشترکہ صفات

(علامہ ابن تیمیہ کا موقف)

اللہ رب العزت نے اپنے حبیبِ مکرم حضور نبی اکرم ﷺ کو جملہ خلائق سے زیادہ مقام و مرتبہ اور فضائل و خصائص عطا فرمائے ہیں۔ انہی صفات و مناقب حمیدہ کی بناء پر آپ ﷺ کا درجہ تمام مخلوقات سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ بعض لوگ کج فہمی اور کوتاہ فکری کی بناء پر مقامِ خالق اور مقام مخلوق کے فرق کو خلط ملط کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ آپ ﷺ کی تعریف و توصیف کا بیان آپ ﷺ کو (معاذ اللہ) مقام و مرتبۂ الوہیت تک پہنچا دیتا ہے۔ واضح رہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی تعریف و توصیف از روئے نص محمود و مطلوب ہے۔ خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں آپ ﷺ کی عظمت اور شان کا بیان فرمایا ہے لہٰذا ایک امتی کا فرض ہے کہ وہ بھی اپنے نبی مکرم ﷺ کی شان و عظمت کو خوب ذوق و شوق سے بیان کرے۔

عقیدۂ صحیحہ یہی ہے کہ وہ صفات جو ربوبیت کا خاصہ ہیں ان کو چھوڑ کر حضور نبی اکرم ﷺ کی جتنی تعظیم و توصیف کی جائے وہ نہ کفر ہے نہ شرک بلکہ طاعت و تقرب ہے۔

www.MinhajBooks.com

فصل اَوّل

اَسماء و صفات میں اِشتراک کی مثالیں

www.MinhajBooks.com

یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ ذاتِ باری تعالیٰ کی شان اور اس کے مقام کے لائق جو خاص صفات وافعال ہیں انہیں کسی مخلوق کے لئے ثابت کرنا شرک ہے لیکن بعض اوقات صفاتِ الٰہیہ اور صفاتِ عبدیہ میں اشتراک ہوتا ہے اس لئے وہ صفات و افعال جو رب تعالیٰ کا خاصہ نہیں اور باری تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل اور اذن سے اپنے برگزیدہ بندوں کو عطا فرما کر احسان فرمایا ہے انہیں ایسی صفات و افعال سے متصف کرنا شرک نہیں۔ قرآن و حدیث میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

ا۔ اَلشَّفَاعَةُ

شفاعت کا مالکِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے، ارشاد فرمایا:

قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًاط لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِط ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَo[(۱)]

”فرما دیجئے: سب شفاعت (کا اِذن) اللہ ہی کے اختیار میں ہے (جو اس نے اپنے مقرّبین کے لئے مخصوص کر رکھا ہے)، آسمانوں اور زمین کی سلطنت بھی اسی کی ہے، پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔“

لیکن اللہ رب العزت نے اپنے اذن سے شفاعت کا اختیار اپنے مقرب بندوں کو عطا کیا ہے، ارشاد فرمایا:

لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًاo[(۲)]

---

(۱) الزمر، ۳۹:۴۴

(۲) مریم، ۱۹:۸۷

’’(اس دن) لوگ شفاعت کے مالک نہ ہوں گے سوائے ان کے جنہوں نے (خدائے) رحمٰن سے وعدۂ (شفاعت) لے لیا ہے۔‘‘

۲۔ عِلمُ الْغَیبِ

عالم بالذات رب تعالیٰ ہے، ارشادِ ربانی ہے:

قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللهُ ؕ وَمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ○(۱)

’’فرما دیجئے کہ جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں (از خود) غیب کا علم نہیں رکھتے سوائے اللہ کے (وہ عالم بالذّات ہے) اور نہ ہی وہ یہ خبر رکھتے ہیں کہ وہ (دوبارہ زندہ کرکے) کب اٹھائے جائیں گے۔‘‘

لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو علم غیب عطا فرماتا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا کَانَ اللهُ لِیُطْلِعَکُمْ عَلَی الْغَیْبِ وَلٰـکِنَّ اللهَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ص فَاٰمِنُوْا بِاللهِ وَ رُسُلِهٖ ج وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَ تَتَّقُوْا فَلَکُمْ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ○(۲)

’’اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ (اے عامۃ الناس!) تمہیں غیب پر مطلع فرما دے لیکن اللہ اپنے رسولوں سے جسے چاہے (غیب کے علم کے لئے) چن لیتا ہے، سو تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور اگر تم ایمان لے آ ؤ اور تقویٰ اختیار کرو تو تمہارے لئے بڑا ثواب ہے۔‘‘

دوسرے مقام پر فرمایا:

---

(۱) النمل، ۶۵:۲۷

(۲) آل عمران، ۱۷۹:۳

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا○ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُکُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا○[1]

''(وہ) غیب کا جاننے والا ہے، پس وہ اپنے غیب پر کسی (عام شخص) کو مطلع نہیں فرماتا○ سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے (اُنہی کو مطلع علی الغیب کرتا ہے کیونکہ یہ خاصۂ نبوت اور معجزۂ رسالت ہے)، تو بے شک وہ اس (رسول ﷺ) کے آگے اور پیچھے (علمِ غیب کی حفاظت کے لئے) نگہبان مقرر فرما دیتا ہے○''

۳۔ اَلْهِدَایَةُ

ہدایت کا مالکِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے، ارشاد فرمایا:

اِنَّکَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ج وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ○[2]

''حقیقت یہ ہے کہ جسے آپ (ہدایت پر لانا) چاہتے ہیں اسے صاحبِ ہدایت آپ خود نہیں بناتے، بلکہ (یوں ہوتا ہے کہ) جسے (آپ چاہتے ہیں اسی کو) اللہ چاہتا ہے (اور آپ کے ذریعے) صاحبِ ہدایت بنا دیتا ہے اور وہ راہِ ہدایت کی پہچان رکھنے والوں سے خوب واقف ہے (یعنی جو لوگ آپ کی چاہت کی قدر پہچانتے ہیں وہی ہدایت سے نوازے جاتے ہیں)۔''

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنی ہدایت اور رسول کی ہدایت کو ایک ہی آیت میں ثابت فرمایا:

وَکَذٰلِکَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ط مَا کُنْتَ تَدْرِیْ مَا

---

(۲) الجن، ۷۲:۲۶۔۲۷

(۱) القصص، ۲۸:۵۶

الْکِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنَاهُ نُورًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ط وَ إِنَّکَ لَتَهْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍO[1]

’’سو اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے روحِ (قلوب و ارواح) کی وحی فرمائی (جو قرآن ہے)، اور آپ (وحی سے قبل اپنی ذاتی درایت و فکر سے) نہ یہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ ایمان (کے شرعی احکام کی تفصیلات کو ہی جانتے تھے جو بعد میں نازل اور مقرر ہوئیں) مگر ہم نے اسے نور بنا دیا۔ ہم اِس (نور) کے ذریعہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت سے نوازتے ہیں، اور بیشک آپ ہی صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت عطا فرماتے ہیں۔‘‘

۴۔ اَلضَّلَالَۃُ

۱۔ گمراہ ٹھہرانے کے حوالے سے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ ط مَنْ يَّشَاِ اللهُ يُضْلِلْهُ ط وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍO[2]

’’اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ بہرے اور گونگے ہیں، تاریکیوں میں (بھٹک رہے) ہیں۔ اللہ جسے چاہتا ہے اسے (انکارِ حق اور ضد کے باعث) گمراہ ٹھہرا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے اسے (قبولِ حق کے باعث) سیدھی راہ پر لگا دیتا ہے۔‘‘

۲۔ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ج فَمَنْ يَّهْدِیْ مَنْ اَضَلَّ اللهُ ط وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَO[3]

(۱) الشوریٰ، ۴۲:۵۲

(۲) الانعام، ۶:۳۹

(۳) الروم، ۳۰:۲۹

’’بلکہ جن لوگوں نے ظلم کیا ہے وہ بغیر علم (و ہدایت) کے اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں، پس اس شخص کو کون ہدایت دے سکتا ہے جسے اللہ نے گمراہ ٹھہرا دیا ہو اور ان لوگوں کے لئے کوئی مددگار نہیں ہے۔‘‘

لیکن ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے گمراہ کرنے کی نسبت ظالموں کی طرف فرمائی:

وَ قَدۡ اَضَلُّوۡا كَثِيۡرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيۡنَ اِلَّا ضَلٰلًا ○(۱)

’’اور واقعی انہوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کیا، سو (اے میرے رب!) تو (بھی ان) ظالموں کو سوائے گمراہی کے (کسی اور چیز میں) نہ بڑھا۔‘‘

۵۔ اَلْعِزَّةُ

۱۔ حقیقی عزت کا سزاوار اللہ تعالیٰ ہے، فرمایا:

الَّذِيۡنَ يَتَّخِذُوۡنَ الۡكٰفِرِيۡنَ اَوۡلِيَآءَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ‌ؕ اَيَبۡتَغُوۡنَ عِنۡدَهُمُ الۡعِزَّةَ فَاِنَّ الۡعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيۡعًا ○(۲)

’’(یہ) ایسے لوگ (ہیں) جو مسلمانوں کی بجائے کافروں کو دوست بناتے ہیں۔ کیا یہ ان کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں؟ پس عزت تو ساری اللہ (تعالیٰ) کے لئے ہے۔‘‘

۲۔ وَلَا يَحۡزُنۡكَ قَوۡلُهُمۡ ۘ اِنَّ الۡعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيۡعًا ‌ؕ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ○(۳)

’’(اے حبیبِ مکرّم!) ان کی (عناد و عداوت پر مبنی) گفتگو آپ کو غمگین نہ کرے۔ بیشک ساری عزت و غلبہ اللہ ہی کے لئے ہے (جو جسے چاہتا ہے دیتا ہے)، وہ خوب سننے والا جاننے والا ہے۔‘‘

---

(۱) نوح، ۷۱:۲۴

(۲) النساء، ۴:۱۳۹

(۳) یونس، ۱۰:۶۵

۳۔ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ط اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ط وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ط وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ ○(۱)

’’جو شخص عزت چاہتا ہے تو اللہ ہی کے لئے ساری عزت ہے، پاکیزہ کلمات اسی کی طرف چڑھتے ہیں اور وہی نیک عمل (کے مدارج) کو بلند فرماتا ہے، اور جو لوگ بُری چالوں میں لگے رہتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اور ان کا مکر وفریب نیست ونابود ہو جائے گا۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے درجِ ذیل آیتِ کریمہ میں عزت کی نسبت اپنی اور اپنے حبیب مکرم ﷺ کی طرف ہی نہیں بلکہ سارے مؤمنین کی طرف کی ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا:

يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ط وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ○(۲)

’’وہ کہتے ہیں: اگر (اب) ہم مدینہ واپس ہوئے تو (ہم) عزت والے لوگ وہاں سے ذلیل لوگوں (یعنی مسلمانوں) کو باہر نکال دیں گے، حالانکہ عزت تو صرف اللہ کے لئے اور اس کے رسول (ﷺ) کے لئے اور مومنوں کے لئے ہے مگر منافقین (اس حقیقت کو) جانتے نہیں ہیں۔‘‘

۶۔ اَلرَّؤُوْفُ الرَّحِيْمُ

ا۔ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ ہیں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱) فاطر، ۳۵:۱۰

(۲) المنافقون، ۶۳:۸

اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ○[۱]

’’بیشک اللہ لوگوں پر بڑی شفقت فرمانے والا مہربان ہے۔‘‘

۲۔ ایک اور مقام پر انہی الفاظ کو دہراتے ہوئے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ○[۲]

’’بیشک اللہ تمام انسانوں کے ساتھ نہایت شفقت فرمانے والا بڑا مہربان ہے۔‘‘

سورۃ توبہ میں یہی دونوں اسماء الحسنٰی حضور نبی اکرم ﷺ کے لئے بیان کئے گئے ہیں۔ ارشاد فرمایا:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ○[۳]

’’بیشک تمہارے پاس تم میں سے (ایک باعظمت) رسول (ﷺ) تشریف لائے۔ تمہارا تکلیف و مشقت میں پڑنا ان پر سخت گراں (گزرتا) ہے۔ (اے لوگو!) وہ تمہارے لئے (بھلائی اور ہدایت کے) بڑے طالب و آرزومند رہتے ہیں (اور) مومنوں کے لئے نہایت (ہی) شفیق بے حد رحم فرمانے والے ہیں۔‘‘

۷۔ اَلْحَقُّ الْمُبِيْنُ

یہ دو نام بھی اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں سے ہیں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ

(۱) البقرة، ۲:۱۴۳

(۲) الحج، ۲۲:۶۵

(۳) التوبة، ۹:۱۲۸

الْمُبِيْنُo(۱)

''اس دن اللہ انہیں ان (کے اعمال) کی پوری پوری جزا جس کے وہ صحیح حقدار ہیں دے دے گا اور وہ جان لیں گے کہ اللہ (خود بھی) حق ہے (اور حق کو) ظاہر فرمانے والا (بھی) ہے۔''

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو بھی اَلْحَقُّ الْمُبِيْنُ فرمایا:

فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ ط اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِo(۲)

''پس آپ اللہ پر بھروسہ کریں، بیشک آپ صریح حق پر (قائم اور فائز) ہیں۔''

۲۔ كَيْفَ يَهْدِى اللهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْآ اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّ جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ط وَاللهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَo(۳)

''اللہ ان لوگوں کو کیونکر ہدایت فرمائے جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے حالانکہ وہ اس امر کی گواہی دے چکے تھے کہ یہ رسول سچا ہے اور ان کے پاس واضح نشانیاں بھی آ چکی تھیں، اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں فرماتا۔''

۳۔ وَقُلْ اِنِّيْٓ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُo(۴)

''اور فرما دیجئے کہ بیشک (اب) میں ہی (عذابِ الٰہی کا) واضح و صریح ڈر سنانے والا ہوں۔''

۴۔ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌo(۵)

---

(۱) النور، ۲۴:۲۵

(۲) النمل، ۲۷:۷۹

(۳) آل عمران، ۳:۸۶

(۴) الحجر، ۱۵:۸۹

(۵) الدخان، ۴۴:۱۳

''اب اُن کا نصیحت ماننا کہاں (مفید) ہوسکتا ہے حالانکہ ان کے پاس واضح بیان فرمانے والے رسول آ چکے۔''

۸۔ اَلنُّوْرُ

اللہ تعالیٰ نور ہے۔ ارشاد فرمایا:

اَللهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط(۱)

''اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کا نام بھی نور رکھا چنانچہ فرمایا:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ O (۲)

''بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور (یعنی حضرت محمد ﷺ) آ گیا ہے اور ایک روشن کتاب (یعنی قرآن مجید)۔''

۹۔ اَلشَّهِيْدُ

اللہ تعالیٰ کے مقدس ناموں میں ایک نام اَلشَّهِيْدُ ہے، چنانچہ فرمایا:

وَ اَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ط وَ كَفٰى بِاللهِ شَهِيْدًا O (۳)

''اور (اے محبوب!) ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے، اور (آپ کی رسالت پر) اللہ گواہی میں کافی ہے۔''

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا نام بھی اللہ تعالیٰ نے شہید رکھا، فرمایا:

---

(۱) النور، ۳۵:۲۴

(۲) المائدة، ۱۵:۵

(۳) النساء، ۷۹:۴

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًاط[(۱)]

’’اور (اے مسلمانو!) اسی طرح ہم نے تمہیں (اعتدال والی) بہتر امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور (ہمارا یہ برگزیدہ) رسول (ﷺ) تم پر گواہ ہو۔‘‘

۲۔ سورۃ النساء میں ارشاد فرمایا:

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًاO[(۲)]

’’پھر اس دن کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور (اے حبیب!) ہم آپ کو ان سب پر گواہ لائیں گے۔‘‘

۱۰۔ اَلْكَرِيْمُ

اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنیٰ میں سے ایک نام اَلْكَرِيْمُ ہے جیسا کہ فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِO[(۳)]

’’اے انسان! تجھے کس چیز نے اپنے ربِ کریم کے بارے میں دھوکے میں ڈال دیا۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کا نام بھی اَلْكَرِيْمُ رکھا۔ ارشاد فرمایا:

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍO[(۴)]

(۱) البقرة، ۲:۱۴۳

(۲) النساء، ۴:۴۱

(۳) الانفطار، ۸۲:۶

(۴) التكوير، ۸۱:۱۹

’’بیشک یہ (قرآن) بڑی عزت و بزرگی والے رسول کا (پڑھا ہوا) کلام ہے۔‘‘

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَنا اَکْرَمُ وَلَدِ آدَمَ.(۱)

’’میں اولادِ آدم میں سب سے زیادہ مکرم و معزز ہوں۔‘‘

۱۱۔ اَلْعَظِیْمُ

۱۔ اللہ تعالیٰ کے مبارک ناموں میں سے ایک اَلْعَظِیْمُ ہے، فرمایا:

وَ هُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُo(۲)

’’وہی سب سے بلند رتبہ بڑی عظمت والا ہے۔‘‘

۲۔ لَهُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَلِیُ الْعَظِیْمُo(۳)

’’جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اسی کا ہے، اور وہ بلند مرتبت، بڑا باعظمت ہے۔‘‘

۲۔ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّکَ الْعَظِیْمِo(۴)

’’سو آپ اپنے ربِّ عظیم کے نام کی تسبیح کیا کریں۔‘‘

---

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، ابواب المناقب، باب ما جاء فی فضل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ۵: ۵۸۵، رقم: ۳۶۱۰
۲۔ دارمی، السنن، ۱: ۳۹، رقم: ۴۷
۳۔ دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۱: ۴۷، رقم: ۱۱۷

(۲) البقرہ، ۲: ۲۵۵

(۳) الشوریٰ، ۴۲: ۴

(۴) الواقعہ، ۵۶: ۹۶

اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کے خلق کے لئے بھی صفت ’’عظیم‘‘ کا اثبات فرمایا، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ○[1]

’’اور بیشک آپ عظیم الشان خلق پر قائم ہیں (یعنی آدابِ قرآنی سے مزین اور اَخلاقِ اِلٰہیہ سے متصف ہیں)۔‘‘

۱۲۔ اَلۡخَبِیۡرُ

۱۔ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک اسمِ مبارک اَلۡخَبِیۡرُ ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَهُوَ الۡقَاهِرُ فَوۡقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الۡحَكِيۡمُ الۡخَبِيۡرُ○[2]

’’اور وہی اپنے بندوں پر غالب ہے، اور وہ بڑی حکمت والا خبردار ہے۔‘‘

۲۔ عٰلِمُ الۡغَيۡبِ وَ الشَّهَادَةِ ؕ وَ هُوَ الۡحَكِيۡمُ الۡخَبِيۡرُ○[3]

’’(وہی) ہر پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے، اور وہی بڑی حکمت والا خبردار ہے۔‘‘

درجِ ذیل دو آیات میں اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنے باخبر ہونے کا ذکر فرمایا اور پھر متصل اگلی آیت میں حضور نبی اکرم ﷺ کو ’’خَبِیۡر‘‘ قرار دیا، ارشاد فرمایا:

وَ تَوَكَّلۡ عَلَى الۡحَيِّ الَّذِیۡ لَا يَمُوۡتُ وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِهٖ ؕ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوۡبِ عِبَادِهٖ خَبِيۡرَا○ ۨالَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَيۡنَهُمَا

(۱) القلم، ۶۸:۴

(۲) الانعام، ۶:۱۸

(۳) الانعام، ۶:۷۳

فِیۡ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ ۚ اَلرَّحۡمٰنُ فَسۡئَلۡ بِهٖ خَبِیۡرًا ۝ (۱)

”اور آپ اس (ہمیشہ) زندہ رہنے والے (رب) پر بھروسہ کیجئے جو کبھی نہیں مرے گا اور اس کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے رہئے، اور اس کا اپنے بندوں کے گناہوں سے باخبر ہونا کافی ہے ۝ جس نے آسمانی کرّوں اور زمین کو اور اس (کائنات) کو جو ان دونوں کے درمیان ہے چھ ادوار میں پیدا فرمایا پھر وہ (حسبِ شان) عرش پر جلوہ افروز ہوا (وہ) رحمٰن ہے (اے معرفتِ حق کے طالب) تو اس کے بارے میں کسی باخبر سے پوچھ (بے خبر اسکا حال نہیں جانتے) ۝“

۱۳۔ اَلشَّکُوۡرُ

یہ بھی اللہ تعالیٰ کے پیارے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ ارشاد فرمایا:

وَاللّٰهُ شَکُوۡرٌ حَلِیۡمٌ ۝ (۲)

”اور اللہ بڑا قدر شناس ہے بُردبار ہے۔“

ایک مقام پر اپنے برگزیدہ نبی حضرت نوح علیہ السلام کی توصیف اس نام کے ساتھ فرمائی، ارشاد فرمایا:

ذُرِّیَّةَ مَنۡ حَمَلۡنَا مَعَ نُوۡحٍ ؕ اِنَّهٗ کَانَ عَبۡدًا شَکُوۡرًا ۝ (۳)

”(اے) ان لوگوں کی اولاد جنہیں ہم نے نوح (علیہ السلام) کے ساتھ (کشتی میں) اٹھا لیا تھا، بیشک نوح (علیہ السلام) بڑے شکر گزار بندے تھے۔“

---

(۱) الفرقان، ۲۵:۵۸۔۵۹

(۲) التغابن، ۶۴:۱۷

(۳) الاسراء، ۱۷:۳

۱۴۔ اَلْعَلِیْمُ

۱۔ اَلْعَلِیْمُ بھی اللہ تعالیٰ کا مبارک اسمِ گرامی ہے، ارشاد فرمایا:

وَاتَّقُوا اللهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌo(۱)

’’اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ بیشک اللہ سب کچھ جاننے والا ہے۔‘‘

۲۔ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُo(۲)

’’اور وہ خوب سننے والا جاننے والا ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے سیدنا یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

فَبَدَاَ بِاَوْعِیَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِیْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِیْهِ ؕ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِیُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِیَاْخُذَ اَخَاهُ فِیْ دِیْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَفَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌo(۳)

’’پس یوسف (علیہ السلام) نے اپنے بھائی کی بوری سے پہلے ان کی بوریوں کی تلاشی شروع کی پھر (بالآخر) اس (پیالے) کو اپنے (سگے) بھائی (بنیامین) کی بوری سے نکال لیا۔ یوں ہم نے یوسف (علیہ السلام) کو تدبیر بتائی۔ وہ اپنے بھائی کو بادشاہ (مصر) کے قانون کی رو سے (اسیر بنا کر) نہیں رکھ سکتے تھے مگر یہ کہ (جیسے) اللہ چاہے۔ ہم جس کے چاہتے ہیں درجات بلند کر دیتے ہیں، اور ہر صاحبِ علم سے اوپر (بھی) ایک علم والا ہوتا ہے۔‘‘

(۱) البقرۃ، ۲: ۲۳۱

(۲) العنکبوت، ۲۹: ۶۰

(۳) یوسف، ۱۲: ۷۶

۱۵۔ اَلْمُعَلِّمُ وَالْعَلَّامُ

اَلْعَلَّامُ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ حقیقی ہے اس کے ساتھ ساتھ اپنے محبوب نبی ﷺ کو اپنے مخفی علوم کے اسرار و رموز سے نوازنے کے باعث اَلْمُعَلِّمُ بھی ہے۔ چنانچہ اپنی اسی صفت کے بارے میں ارشاد فرمایا:

وَ عَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ ط وَ کَانَ فَضْلُ اللهِ عَلَیْکَ عَظِیْمًاo(۱)

”اور اس نے آپ کو وہ سب علم عطا کر دیا ہے جو آپ نہیں جانتے تھے، اور آپ پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے۔“

حضور نبی اکرم ﷺ نے پہلے اللہ تعالیٰ سے علم حاصل کیا اور پھر اسی علمی فیض کو امت میں ان کے حسبِ حال عطا کرنے والے بن گئے اور اَلْمُعَلِّمُ کے مقام پر فائز ہوئے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

کَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْکُمْ رَسُوْلًا مِّنْکُمْ یَتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِنَا وَ یُزَکِّیْکُمْ وَیُعَلِّمُکُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَةَ وَ یُعَلِّمُکُمْ مَّا لَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَo(۲)

”اسی طرح ہم نے تمہارے اندر تمہیں میں سے (اپنا) رسول بھیجا جو تم پر ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور تمہیں (نفسًا و قلبًا) پاک صاف کرتا ہے اور تمہیں کتاب کی تعلیم دیتا ہے اور حکمت و دانائی سکھاتا ہے اور تمہیں وہ (اسرارِ معرفت وحقیقت) سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے۔“

۱۶۔ اَلْوَلِیُّ وَ الْمَوْلٰی

۱۔ اَلْوَلِیُّ اور اَلْمَوْلٰی بھی اللہ تعالیٰ کے مقدس اسماء الحسنٰی میں سے ہیں، فرمایا:

(۱) النساء، ۴:۱۱۳

(۲) البقرة، ۲:۱۵۱

وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ○(۱)

”اور اللہ ایمان والوں کا ولی ہے۔“

۲۔ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰـكُمْ ج وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ○(۲)

”بلکہ اللہ تمہارا مولیٰ ہے، اور وہ سب سے بہتر مدد فرمانے والا ہے۔“

۳۔ هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰـهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ○(۳)

”اس (دہشت ناک) مقام پر ہر شخص ان (اعمال کی حقیقت) کو جانچ لے گا جو اس نے آگے بھیجے تھے اور وہ اللہ کی جانب لوٹائے جائیں گے جو ان کا مالکِ حقیقی ہے اور ان سے وہ بہتان تراشی جاتی رہے گی جو وہ کیا کرتے تھے۔“

دوسرے مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنی اس صفت کو اپنے رسول ﷺ، جبرائیل علیہ السلام اور صالحین کے لئے ثابت فرمایا، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱۔ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ○(۴)

”بیشک تمہارا (مددگار) دوست تو اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) ہی ہے اور (ساتھ) وہ ایمان والے ہیں جو نماز قائم رکھتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ (اللہ کے حضور عاجزی سے) جھکنے والے ہیں۔“

۲۔ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ط(۵)

---

(۱) آل عمران، ۳:۶۸

(۲) آل عمران، ۳:۱۵۰

(۳) یونس، ۱۰:۳۰

(۴) المائدۃ، ۵:۵۵

(۵) الاحزاب، ۳۳:۶

''یہ نبیّ (مکرّم ﷺ) مؤمنوں کے ساتھ اُن کی جانوں سے زیادہ قریب اور حقدار ہیں اور آپ کی ازواجِ (مطہّرات) اُن کی مائیں ہیں۔''

۳۔ اِنۡ تَتُوۡبَاۤ اِلَی اللّٰہِ فَقَدۡ صَغَتۡ قُلُوۡبُکُمَا ۚ وَ اِنۡ تَظٰہَرَا عَلَیۡہِ فَاِنَّ اللّٰہَ ہُوَ مَوۡلٰىہُ وَ جِبۡرِیۡلُ وَ صَالِحُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۚ وَ الۡمَلٰٓئِکَۃُ بَعۡدَ ذٰلِکَ ظَہِیۡرٌ ○ (۱)

''اگر تم دونوں اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو (تو تمہارے لئے بہتر ہے) کیونکہ تم دونوں کے دل (ایک ہی بات کی طرف) جھک گئے ہیں، اگر تم دونوں نے اس بات پر ایک دوسرے کی اعانت کی (تو یہ نبیٔ مکرّم ﷺ کے لئے باعثِ رنج ہوسکتا ہے) سو بیشک اللہ ہی اُن کا دوست و مددگار ہے، اور جبریل اور صالح مؤمنین بھی اور اس کے بعد (سارے) فرشتے بھی (اُن کے) مددگار ہیں۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أنَا أَوۡلٰی بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ مِنۡ أَنۡفُسِهِمۡ. (۲)

''میں مؤمنوں سے ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہوں۔''

اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لئے فرمایا:

مَنۡ کُنۡتُ مَوۡلَاهُ فَعَلِیٌّ مَوۡلَاهُ. (۳)

---

(۱) التحریم، ۶۶:۴

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الکفالة، باب الدین، ۲:۸۰۵، رقم: ۲۱۷۶

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفرائض، باب من ترک مالا فلورثه، ۳:۱۲۳۷، رقم: ۱۶۱۹

۳۔ احمد بن حنبل، المسند، ۳:۳۷۱

(۳) ترمذی، السنن، ۵:۶۳۳، أبواب المناقب عن رسول ﷺ، باب مناقب علي بن أبي طالب ص، رقم: ۳۷۱۳

’’میں جس کا مددگار ہوں اس کے علی مددگار ہیں۔‘‘

۱۷۔ اَلْعَفُوُّ

یہ اللہ تعالیٰ کا پیارا نامِ نامی ہے، فرمایا:

۱۔ اِنَّ اللهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌo(۱)

’’بیشک اللہ درگزر فرمانے والا بڑا بخشنے والا ہے۔‘‘

۲۔ وَ اِنَّ اللهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌo(۲)

’’اور بیشک اللہ ضرور درگزر فرمانے والا بڑا بخشنے والا ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے حبیبِ مکرّم ﷺ کی تعریف بھی اس نام کے ساتھ فرمائی ہے۔ ارشاد فرمایا:

۱۔ خُذِ الْعَفْوَ وَ اْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَo(۳)

’’(اے حبیبِ مکرّم!) آپ درگزر فرمانا اختیار کریں، اور بھلائی کا حکم دیتے رہیں اور جاہلوں سے کنارہ کشی اختیار کرلیں۔‘‘

۲۔ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ط اِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَo(۴)

’’سو آپ انہیں معاف فرما دیجئے اور درگزر فرمایئے، بیشک اللہ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔‘‘

www.MinhajBooks.com

---

(۱) الحج، ۲۲:۶۰

(۲) المجادلة، ۵۸:۲

(۳) الاعراف، ۷:۱۹۹

(۴) المائدة، ۵:۱۳

۱۸۔ اَلْمُؤْمِنُ

اللہ تعالیٰ کے پاک ناموں میں سے ایک ’’اَلْمُؤْمِنُ‘‘ ہے چنانچہ ارشاد فرمایا:

هُوَ اللهُ الَّذِىْ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ ج اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ط سُبْحٰنَ اللهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَo (۱)

’’وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، (حقیقی) بادشاہ ہے، ہر عیب سے پاک ہے، ہر نقص سے سالم (اور سلامتی دینے والا) ہے، امن و امان دینے والا (اور معجزات کے ذریعے رسولوں کی تصدیق فرمانے والا) ہے، محافظ و نگہبان ہے، غلبہ و عزّت والا ہے، زبردست عظمت والا ہے، سلطنت و کبریائی والا ہے، اللہ ہر اُس چیز سے پاک ہے جسے وہ اُس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ کی بھی اسی صفت مؤمن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تعریف فرمائی:

قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ط وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌo (۲)

’’فرما دیجئے: تمہارے لئے بھلائی کے کان ہیں وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اہلِ ایمان (کی باتوں) پر یقین کرتے ہیں اور تم میں سے جو ایمان لے آئے ہیں ان کے لئے رحمت ہیں، اور جو لوگ رسول اللہ (ﷺ) کو (اپنی بدعقیدگی، بدگمانی اور بدزبانی کے ذریعے) اذیت پہنچاتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔‘‘

مسلمان مردوں کو اور عورتوں کو بھی مؤمن کہا گیا، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

---

(۱) الحشر، ۵۹:۲۳

(۲) التوبة، ۹:۶۱

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ...... (۱)

”(اے حبیب!) جس دن آپ (اپنی امت کے) مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کو دیکھیں گے کہ ان کا نور ان کے آگے اور ان کے دائیں جانب تیزی سے چل رہا ہو گا......“

ایک اور جگہ فرمایا:

مُّطَاعٍ ثَمَّ أَمِيْنٍo (۲)

”(تمام جہانوں کے لئے) واجب الاطاعت ہیں (کیونکہ ان کی اطاعت ہی اللہ کی اطاعت ہے)، امانت دار ہیں (وحی اور زمین و آسمان کے سب اُلوہی رازوں کے حامل ہیں)۔“

۱۹۔ اَلْمُهَيْمِنُ

اللہ تعالیٰ کا ایک اسمِ مقدس اَلْمُهَيْمِنُ ہے جس کا ایک معنی شاہد بھی ہے چنانچہ سورۃ الحشر (۵۸: ۲۳) میں فرمایا اَلْمُهَيْمِنُ ”یعنی محافظ و نگہبان“

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم ﷺ کی شانِ شاہدیت کا ذکر یوں فرمایا:

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًاo (۳)

”اے نبیّ (مکرّم!) بیشک ہم نے آپ کو (حق اور خَلق کا) مشاہدہ کرنے والا اور (حُسنِ آخرت کی) خوشخبری دینے والا اور (عذابِ آخرت کا) ڈر سنانے

(۱) الحدید، ۵۷: ۱۲

(۲) التکویر، ۸۱: ۲۱

(۳) الاحزاب، ۳۳: ۴۵

والا بنا کر بھیجا ہے۔‘‘

۲۰۔ اَلْمُبَشِّرُ

۱۔ اللہ تعالیٰ نے صفتِ بشارت کے ساتھ اپنی تعریف فرمائی۔ ارشاد ہوا:

اَنَّ اللهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى.(۱)

’’بیشک اللہ آپ کو (فرزند) یحییٰ (علیہ السلام) کی بشارت دیتا ہے۔‘‘

۲۔ **يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ** ○(۲)

’’ان کا رب انہیں اپنی جانب سے رحمت کی اور (اپنی) رضا کی اور (ان) جنتوں کی خوشخبری دیتا ہے جن میں ان کے لئے دائمی نعمتیں ہیں۔‘‘

۱۔ اللہ رب العزت کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اسی صفت کو اپنی طرف منسوب کر کے فرمایا:

وَمُبَشِّرًا م بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ م بَعْدِي اسْمُهٗ اَحْمَدُ ط(۳)

’’اور اُس رسولِ (معظّم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی (آمد آمد) کی بشارت سنانے والا ہوں جو میرے بعد تشریف لا رہے ہیں جن کا نام (آسمانوں میں اس وقت) احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے۔‘‘

۲۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن حکیم میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبشر قرار دیتے ہوئے فرمایا:

---

(۱) آل عمران، ۳:۳۹

(۲) التوبۃ، ۹:۲۱

(۳) الصّف، ۶۱:۶

وَمَآ أَرۡسَلۡنٰکَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَّ نَذِيۡرًاo[1]

’’اور (اے حبیبِ مکرّم!) ہم نے آپ کو خوشخبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا ہی بنا کر بھیجا ہے۔‘‘

۳۔ اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰکَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيۡرًاo[2]

’’بیشک ہم نے آپ کو (روزِ قیامت گواہی دینے کے لئے اعمال و احوالِ امت کا) مشاہدہ فرمانے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے۔‘‘

۲۱۔ اَلۡفَتَّاحُ

اللہ تعالیٰ کے مبارک ناموں میں سے ایک اَلۡفَتَّاحُ ہے۔ ارشاد فرمایا:

قُلۡ يَجۡمَعُ بَيۡنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفۡتَحُ بَيۡنَنَا بِالۡحَقِّ ط وَهُوَ الۡفَتَّاحُ الۡعَلِيۡمُo[3]

’’فرما دیجئے: ہم سب کو ہمارا رب (روزِ قیامت) جمع فرمائے گا پھر ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا، اور وہ خوب فیصلہ فرمانے والا خوب جاننے والا ہے۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ کو بھی ’’اَلۡفَتۡحُ‘‘ قرار دیا آپ ﷺ فاتح اور خاتم ہیں، درج ذیل آیت مبارکہ میں بھی حضور ﷺ کی تعریف فتح کی ابتداء کرنے والے کے ساتھ فرمائی:

اِنۡ تَسۡتَفۡتِحُوۡا فَقَدۡ جَآءَکُمُ الۡفَتۡحُ ج[4]

’’(اے کافرو!) اگر تم نے فیصلہ کن فتح مانگی تھی تو یقیناً تمہارے پاس (حق کی)

---

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷:۱۰۵

(۲) الفتح، ۴۸:۸

(۳) سبا، ۳۴:۲۶

(۴) الانفال، ۸:۱۹

فتح آ چکی۔‘‘

۲۲۔ اَلْاَوَّلُ وَالْآخِرُ

اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنٰی میں سے اَلْاَوَّلُ وَالْآخِرُ بھی ہے۔ ارشاد فرمایا:

هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ ج وَ هُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ○ (۱)

’’وہی (سب سے) اوّل اور (سب سے) آخر ہے اور (اپنی قدرت کے اعتبار سے) ظاہر اور (اپنی ذات کے اعتبار سے) پوشیدہ ہے، اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ بھی شانِ اولیت کے حامل اس صفت سے متصف ہیں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَ اَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا○ (۲)

’’اور (اے حبیب! یاد کیجئے) جب ہم نے انبیاء سے اُن (کی تبلیغِ رسالت) کا عہد لیا اور (خصوصاً) آپ سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور عیسٰی ابن مریم (علیہم السلام) سے اور ہم نے اُن سے نہایت پختہ عہد لیا۔‘‘

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

نَحْنُ الْآخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (۳)

---

(۱) الحدید، ۵۷:۳

(۲) الاحزاب، ۳۳:۷

(۳) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۱:۳۰۵، کتاب الجمعة، باب هل على من لم يشهد الجمعة غسل من النساء والصبيان، رقم: ۸۵۶

۲۔ مسلم، الصحیح، ۲:۵۸۵، کتاب الجمعة، باب هداية هذه الأمة ليوم الجمعة، رقم: ۸۵۵

’’روزِ قیامت ہم ہی آخر اور سابق (اوّل) ہیں۔‘‘

۲۔ اسی طرح فرمایا:

نَحۡنُ الۡآخِرُوۡنَ وَالۡاَوَّلُوۡنَ یَوۡمَ الۡقِیَامَةِ وَ نَحۡنُ اَوَّلُ مَنۡ یَدۡخُلُ الۡجَنَّةَ.(۱)

’’روزِ قیامت ہم ہی اوّل اور آخر ہوں گے اور ہم ہی دخول جنت میں اول ہیں۔‘‘

۳۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أنَا اَوَّلُ مَنۡ یَنۡشَقُّ عَنۡهُ الۡقَبۡرُ، وَ اَوَّلُ شَافِعٍ وَ اَوَّلُ مَشَفَّعٍ.(۲)

’’روزِ قیامت سب سے پہلے میری قبر شق ہوگی اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی۔‘‘

۴۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

کُنۡتُ اَوَّلَ النَّبِیّٖنَ فِی الۡخَلۡقِ وَ آخِرَهُمۡ فِی الۡبَعۡثِ.(۳)

’’میں پیدائش میں تمام انبیاء سے اوّل ہوں اور بعثت میں ان کا آخر۔‘‘

۵۔ کُنۡتُ اَوَّلَ النَّاسِ فِی الۡخَلۡقِ وَ آخِرَهُمۡ فِی الۡبَعۡثِ.(۴)

’’میں تمام لوگوں میں بطورِ پیدائش اوّل ہوں اور بلحاظِ بعثت آخر ہوں۔‘‘

---

(۱) مسلم، الصحیح، ۲:۵۸۵، کتاب الجمعة، باب هدایة هذه الامة لیوم الجمعة، رقم: ۸۵۵

(۲) مسلم، الصحیح، ۴:۱۷۸۲، کتاب الفضائل، باب تفضیل نبینا علی جمیع الخلائق، رقم: ۲۲۷۸

(۳) دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۳:۲۸۲، رقم: ۴۸۵۰

(۴) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۱:۱۴۹

۲۳۔ اَلْقَوِیُّ

اللہ تعالیٰ کے مبارک و مقدس ناموں میں سے ایک اَلْقَوِیُّ ہے، ارشاد فرمایا:

۱۔ اَللهُ لَطِيْفٌ م بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ج وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُo(۱)

’’اللہ اپنے بندوں پر بڑا لطف و کرم فرمانے والا ہے، جسے چاہتا ہے رِزق و عطا سے نوازتا ہے اور وہ بڑی قوت والا بڑی عزت والا ہے۔‘‘

۲۔ اِنَّ اللهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُo(۲)

’’بیشک اللہ ہی ہر ایک کا روزی رساں ہے، بڑی قوت والا ہے، زبردست مضبوط ہے۔ (اسے کسی کی مدد و تعاون کی حاجت نہیں)۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبِ مکرم حضور نبی اکرم ﷺ کی شان میں فرمایا:

۱۔ ذِیْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَكِيْنٍo(۳)

’’جو (دعوتِ حق، تبلیغِ رسالت اور روحانی استعداد میں) قوت و ہمت والے ہیں (اور) مالکِ عرش کے حضور بڑی قدر و منزلت (اور جاہ و عظمت) والے ہیں۔‘‘

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی بھی یہی صفت بیان فرمائی:

۲۔ قَالَتْ اِحْدٰهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ز اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُo(۴)

’’ان میں سے ایک (لڑکی) نے کہا: اے (میرے) والد گرامی! انہیں (اپنے

(۱) الشوریٰ، ۴۲:۱۹

(۲) الذاریات، ۵۱:۵۸

(۳) التکویر، ۸۱:۲۰

(۴) القصص، ۲۸:۲۶

پاس مزدوری) پر رکھ لیں بیشک بہترین شخص جسے آپ مزدوری پر رکھیں وہی ہے جو طاقتور امانتدار ہو (اور یہ اس ذمہ داری کے اہل ہیں)۔‘‘

۳۔ عفریت جن نے بھی اپنی طرف لفظِ قوی منسوب کیا تھا:

قَالَ عِفۡرِیۡتٌ مِّنَ الۡجِنِّ اَنَا اٰتِیۡکَ بِہٖ قَبۡلَ اَنۡ تَقُوۡمَ مِنۡ مَّقَامِکَ ج وَ اِنِّیۡ عَلَیۡہِ لَقَوِیٌّ اَمِیۡنٌ ○ (۱)

’’ایک قوی ہیکل جن نے عرض کیا: میں اسے آپ کے پاس لاسکتا ہوں قبل اس کے کہ آپ اپنے مقام سے اُٹھیں اور بیشک میں اس (کے لانے) پر طاقتور (اور) امانتدار ہوں۔‘‘

۲۴۔ اَلۡمَحۡمُوۡدُ

اللہ تعالیٰ کے مبارک ناموں میں سے ایک اَلۡحَمِیۡدُ ہے جس کے معنی محمود ہیں، ارشاد فرمایا:

۱۔ اِنَّہٗ حَمِیۡدٌ مَّجِیۡدٌ ○ (۲)

’’بیشک وہ قابلِ ستائش (ہے) بزرگی والا ہے۔‘‘

۲۔ دوسرے مقام پر فرمایا:

لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ط وَاِنَّ اللّٰہَ لَھُوَ الۡغَنِیُّ الۡحَمِیۡدُ ○ (۳)

’’اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور بیشک اللہ ہی بے نیاز قابلِ ستائش ہے۔‘‘

---

(۱) النمل، ۲۷:۳۹

(۲) ھود، ۱۱:۷۳

(۳) الحج، ۲۲:٦۴

اللہ رب العزت نے حضور نبی اکرم ﷺ کو بھی مقامِ محمود کی فضیلت عطا کی، ارشاد فرمایا:

عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًاo (۱)

’’یقیناً آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا (یعنی وہ مقامِ شفاعتِ عظمیٰ جہاں جملہ اوّلین و آخرین آپ کی طرف رجوع اور آپ کی حمد کریں گے)۔‘‘

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اپنے اشعار میں اس طرف کیا خوب اشارہ فرمایا:

وَ شَقَّ لَهُ مِنِ اسْمِهِ لِيُجِلَّهُ فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَ هٰذَا مُحَمَّدٌ

’’اللہ تعالیٰ نے اپنے نام سے آپ ﷺ کا نام نکالا تا کہ آپ ﷺ کی عزت ہو، پس صاحبِ عرش (اللہ عزوجل) محمود ہے اور آپ محمد ﷺ ہیں۔‘‘

۲۵۔ اَلْمُزَكِّيْ

اللہ تعالیٰ کے مبارک ناموں میں سے ایک اَلْمُزَکِّیُ ہے، فرمایا:

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یُزَکُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ط بَلِ اللّٰهُ یُزَکِّیْ مَنْ یَّشَآءُ وَ لَا یُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًاo (۲)

’’کیا آپ نے ایسے لوگوں کو نہیں دیکھا جو خود کو پاک ظاہر کرتے ہیں، بلکہ اللہ ہی جسے چاہتا ہے پاک فرماتا ہے اور ان پر ایک دھاگہ کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔‘‘

۱۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو اس صفت سے متصف کر کے فرمایا:

(۱) الاسراء، ۱۷: ۷۹

(۲) النساء، ۴: ۴۹

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ٥(۱)

’’اسی طرح ہم نے تمہارے اندر تمہیں میں سے (اپنا) رسول بھیجا جو تم پر ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور تمہیں (نفسًا وقلبًا) پاک صاف کرتا ہے اور تمہیں کتاب کی تعلیم دیتا ہے اور حکمت و دانائی سکھاتا ہے اور تمہیں وہ (اسرارِ معرفت وحقیقت) سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے۔‘‘

۲۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ ج وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ٥(۲)

’’بیشک اللہ نے مسلمانوں پر بڑا احسان فرمایا کہ ان میں انہی میں سے (عظمت والا) رسول (ﷺ) بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اگرچہ وہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔‘‘

۳۔ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ق وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ٥(۳)

’’وہی ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں انہی میں سے ایک (باعظمت) رسول (ﷺ) کو بھیجا وہ اُن پر اُس کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں اور اُن (کے ظاہر و باطن) کو پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں بیشک وہ

(۱) البقرة، ۲: ۱۵۱

(۲) آل عمران، ۳: ۱۶۴

(۳) الجمعة، ۶۲: ۲

لوگ اِن (کے تشریف لانے) سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔‘‘

۲۶۔ اَلسَّمِیْعُ

اللہ تعالیٰ کا ایک نامِ مبارک اَلسَّمِیْعُ ہے، ارشاد فرمایا:

۱۔ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُo[(۱)]

’’بیشک وہی خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔‘‘

۲۔ دوسرے مقام پر فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِیْعًاۢ بَصِیْرًاo[(۲)]

’’بیشک اللہ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔‘‘

جبکہ سورۃ الدھر میں عام فردِ بشر کو اسی صفت کے ساتھ متصف کیا، ارشاد فرمایا:

فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًاۢ بَصِیْرًاo[(۳)]

’’پس ہم نے اسے سننے والا دیکھنے والا بنایا ہے۔‘‘

۲۷۔ البَصِیْرُ

اللہ تعالیٰ کا ایک مقدس اسم البَصِیْرُ ہے۔ اور یہ اس کی شان کے لائق ہے۔

۱۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِیْرًاۢ بَصِیْرًاo[(۴)]

www.MinhajBooks.com

(۱) بنی اسرائیل، ۱:۱۷

(۲) النساء، ۵۸:۴

(۳) الدھر، ۲:۷۶

(۴) الاسراء، ۹۶:۱۷

’’بیشک وہ اپنے بندوں سے خوب آگاہ خوب دیکھنے والا ہے‘‘

۲۔ ایک اور مقام پر فرمایا:

وَكَانَ اللهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا○(۱)

’’اور اللہ ان کاموں کو جو تم کرتے ہو خوب دیکھنے والا ہے۔‘‘

جبکہ انسان بھی اپنے حسبِ حال بصیر ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱۔ **بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ○**(۲)

’’بلکہ اِنسان اپنے (اَحوالِ) نفس پر (خود ہی) آگاہ ہوگا۔‘‘

۲۔ سورہ یوسف میں اللہ کے برگزیدہ پیغمبر حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا:

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ج(۳)

’’میرا یہ قمیص لے جاؤ، سو اسے میرے باپ کے چہرے پر ڈال دینا، وہ بینا ہو جائیں گے۔‘‘

۳۔ پھر باری تعالیٰ نے بھی ان کے لیے لفظِ بَصِیْر ارشاد فرمایا:

فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا○(۴)

’’پھر جب خوشخبری سنانے والا آ پہنچا اس نے وہ قمیص یعقوب (علیہ السلام) کے چہرے پر ڈال دیا تو اسی وقت ان کی بینائی لوٹ آئی۔‘‘

www.MinhajBooks.com

(۱) الفتح، ۴۸:۲۴

(۲) القیامۃ، ۷۵:۱۴

(۳) یوسف، ۱۲:۹۳

(۴) یوسف، ۱۲:۹۶

صفاتِ مشترکہ کی حقیقت

مذکورہ بالا صفاتِ مشترکہ کی حقیقت درج ذیل تین توضیحات میں مضمر ہے:

۱۔ یہ صفات اللہ تعالیٰ کے لئے حقیقی معنی میں بیان ہوئی ہیں اور حضور ﷺ کے لئے یا دیگر معزز و مقرب مخلوق کے لئے مجازی معنی میں۔

۲۔ یہ صفات اللہ تعالیٰ کے لئے ذاتی حیثیت سے بیان ہوئی ہیں اور مخلوق کے لئے عطائی حیثیت سے۔

۳۔ ان صفات کا معنی و اطلاق اللہ تعالیٰ کے لئے اس کی شانِ خالقیت و مالکیت کے مطابق بیان ہوا ہے اور مخلوق کے لئے اس کی شانِ مخلوقیت و محبوبیت کے مطابق۔

الغرض ایسے اشتراک سے کبھی بھی شرک لازم نہیں آتا بلکہ ان کی صحیح توجیہہ اور تطبیق کرنی چاہیے۔

www.MinhajBooks.com

فصل دُوُم

افعال میں اشتراک کی مثالیں

www.MinhajBooks.com

جس طرح مذکورہ بالا بحث میں صفات و اسمائے باری تعالیٰ میں اشتراک کی متعدد مثالیں بیان ہوئیں اسی طرح بعض افعالِ الٰہیہ اور افعالِ بشریہ میں بھی اشتراک پایا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ایسی مثالیں متعدد مقامات پر موجود ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

۱۔ درحقیقت ایمان میں کمی یا زیادتی تو اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے لیکن درج ذیل آیتِ مبارکہ میں ایمان میں زیادتی کی نسبت آیاتِ قرآنی کی طرف جا رہی ہے:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ إِذَا ذُكِرَ اللهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ إِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهُ زَادَتْهُمْ إِيْمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَo[1]

”ایمان والے (تو) صرف وہی لوگ ہیں کہ جب (ان کے سامنے) اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے (تو) ان کے دل (اس کی عظمت و جلال کے تصور سے) خوفزدہ ہو جاتے ہیں اور جب ان پر اس کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ (کلامِ محبوب کی لذت انگیز اور حلاوت آفریں باتیں) ان کے ایمان میں زیادتی کر دیتی ہیں اور وہ (ہر حال میں) اپنے رب پر توکل (قائم) رکھتے ہیں (اور کسی غیر کی طرف نہیں تکتے)۔“

دوسرے مقام پر جنگِ احد کے تناظر میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کے طرزِ عمل کو صحابہ کرام کے ایمانی جذبوں میں اضافے کا سبب ٹھہراتے ہوئے فرمایا:

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ

---

(۱) الانفال، ۸:۲

اِیْمَانًا وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰہُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُo(۱)

’’(یہ) وہ لوگ (ہیں) جن سے لوگوں نے کہا کہ مخالف لوگ تمہارے مقابلے کے لئے (بڑی کثرت سے) جمع ہو چکے ہیں سو ان سے ڈرو تو (اس بات نے) ان کے ایمان کو اور بڑھا دیا اور وہ کہنے لگے: ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ کیا اچھا کارساز ہے۔‘‘

۲۔ حقیقت میں افعال کا صدور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا:

وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَo(۲)

’’حالانکہ اللہ نے تمہیں اور تمہارے (سارے) کاموں کو خلق فرمایا ہے۔‘‘

لیکن قرآن میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے پہلے بندوں کے فعل کی نسبت اپنی طرف فرمائی اور پھر حضور نبی اکرم ﷺ کے کنکریاں پھینکنے کے عمل کو بھی اپنی طرف منسوب کیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَلَمْ تَقْتُلُوْھُمْ وَلٰـکِنَّ اللّٰہَ قَتَلَھُمْ ص وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰـکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی ج وَلِیُبْلِیَ الْمُؤْمِنِیْنَ مِنْهُ بَـلَآءً حَسَنًا ط اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌo(۳)

’’(اے سپاہیانِ لشکرِ اسلام) ان کافروں کو تم نے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کر دیا اور (اے حبیبِ محتشم!) جب آپ نے (ان پر سنگریزے) مارے تھے (وہ) آپ نے نہیں مارے تھے بلکہ (وہ تو) اللہ نے مارے تھے اور یہ (اس لئے) کہ وہ اہلِ ایمان کو اپنی طرف سے اچھے انعامات سے نوازے، بیشک اللہ خوب سننے والا جاننے والا ہے۔‘‘

(۱) آل عمران، ۳:۱۷۳

(۲) الصافات، ۳۷:۹۶

(۳) الانفال، ۸:۱۷

۳۔ روح قبض کرنا اللہ تعالیٰ کا فعل ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ا۔ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا.[۱]

’’اللہ جانوں کو اُن کی موت کے وقت قبض کر لیتا ہے۔‘‘

۲۔ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰكُمْ وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا ط اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌo[۲]

’’اور اللہ نے تمہیں پیدا فرمایا ہے پھر وہ تمہیں وفات دیتا (یعنی تمہاری روح قبض کرتا) ہے۔ اور تم میں سے کسی کو ناقص ترین عمر (بڑھاپا) کی طرف پھیر دیا جاتا ہے تاکہ (زندگی میں بہت کچھ) جان لینے کے بعد اب کچھ بھی نہ جانے (یعنی انسان مرنے سے پہلے اپنی بے بسی و کم مائیگی کا منظر بھی دیکھ لے)، بیشک اللہ خوب جاننے والا بڑی قدرت والا ہے۔‘‘

دوسرے مقام پر اسی فعل کی نسبت اپنے بندے کی طرف کی، فرمایا:

قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَo[۳]

’’آپ فرما دیں کہ موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے تمہاری روح قبض کرتا ہے پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔‘‘

۴۔ حقیقت میں اولاد عطا کرنا اللہ تعالیٰ کا فعل ہے، ارشاد فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ ط اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِo[۴]

’’سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق

(۱) الزمر، ۳۹:۴۲

(۲) النحل، ۱۶:۷۰

(۳) السجدة، ۳۲:۱۱

(۴) ابراہیم، ۱۴:۳۹

(علیھما السلام دو فرزند) عطا فرمائے، بیشک میرا رب دعا خوب سننے والا ہے۔‘‘

یہی وَھَب (عطا کرنے) کی نسبت بندے کی طرف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّکِ ق لِاَھَبَ لَکِ غُلٰمًا زَکِیًّاo(۱)

’’(جبرائیل علیہ السلام نے) کہا: میں تو فقط تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں، (اس لئے آیا ہوں) کہ میں تجھے ایک پاکیزہ بیٹا عطا کروں۔‘‘

عطا کی نسبت ایک ہی آیت میں اللہ نے اپنی اور اپنے رسول ﷺ کی طرف فرمائی:

وَلَوْ اَنَّھُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰھُمُ اللهُ وَ رَسُوْلُهٗ لا وَ قَالُوْا حَسْبُنَا اللهُ سَیُؤْتِیْنَا اللهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ رَسُوْلُهٗٓ لا اِنَّآ اِلَی اللهِ رٰغِبُوْنَo(۲)

’’اور کیا ہی اچھا ہوتا اگر وہ لوگ اس پر راضی ہو جاتے جو ان کو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) نے عطا فرمایا تھا اور کہتے کہ ہمیں اللہ کافی ہے۔ عنقریب ہمیں اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسول (ﷺ مزید) عطا فرمائے گا۔ بیشک ہم اللہ ہی کی طرف راغب ہیں (اور رسول ﷺ اسی کا واسطہ اور وسیلہ ہے، اس کا دینا بھی اللہ ہی کا دینا ہے۔ اگر یہ عقیدہ رکھتے اور طعنہ زنی نہ کرتے تو یہ بہتر ہوتا)۔‘‘

۵۔ خالقِ حقیقی اللہ رب العزت کی ذات ہے، فرمایا:

ا۔ اَللهُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ ز وَّ ھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّکِیْلٌo(۳)

’’اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔‘‘

اسی طرح بے جان جسم میں روح ڈالنا بھی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، ارشاد فرمایا:

(۱) مریم، ۱۹:۱۹

(۲) التوبۃ، ۹:۵۹

(۳) الزمر، ۳۹:۶۲

۲۔ فَاِذَا سَوَّیۡتُهٗ وَ نَفَخۡتُ فِیۡهِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ فَقَعُوۡا لَهٗ سٰجِدِیۡنَo[(۱)]

’’پھر جب میں اس کی (ظاہری) تشکیل کو کامل طور پر درست حالت میں لا چکوں اور اس پیکر (بشری کے باطن) میں اپنی (نورانی) روح پھونک دوں تو تم اس کے لئے سجدہ میں گر پڑنا۔‘‘

خلق کی ان تمام صفات کی نسبت ایک مقام پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی طرف کی، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ رَسُوۡلًا اِلٰی بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ۬ۙ اَنِّیۡ قَدۡ جِئۡتُکُمۡ بِاٰیَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ ۙ اَنِّیۡۤ اَخۡلُقُ لَکُمۡ مِّنَ الطِّیۡنِ کَهَیۡـَٔۃِ الطَّیۡرِ فَاَنۡفُخُ فِیۡهِ فَیَکُوۡنُ طَیۡرًۢا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُبۡرِیُٔ الۡاَکۡمَهَ وَ الۡاَبۡرَصَ وَ اُحۡیِ الۡمَوۡتٰی بِاِذۡنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُنَبِّئُکُمۡ بِمَا تَاۡکُلُوۡنَ وَ مَا تَدَّخِرُوۡنَ ۙ فِیۡ بُیُوۡتِکُمۡ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَo[(۲)]

’’اور وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول ہو گا (ان سے کہے گا) کہ بیشک میں تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے ایک نشانی لے کر آیا ہوں میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی شکل جیسا (ایک پُتلا) بناتا ہوں پھر میں اس میں پھونک مارتا ہوں سو وہ اللہ کے حکم سے فوراً اڑنے والا پرندہ ہو جاتا ہے اور میں مادرزاد اندھے اور سفید داغ والے کو شفایاب کرتا ہوں اور میں اللہ کے حکم سے مُردے کو زندہ کر دیتا ہوں، اور جو کچھ تم کھا کر آئے ہو اور جو کچھ تم اپنے گھروں میں جمع کرتے ہو میں تمہیں (وہ سب کچھ) بتا دیتا ہوں، بیشک اس میں تمہارے لئے نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔‘‘

(۱) الحجر، ۱۵:۲۹

(۲) آل عمران، ۳:۴۹

فصل سوُم

خالق اور مخلوق کی مشترکہ صفات

(علامہ ابنِ تیمیہ کا مؤقف)

www.MinhajBooks.com

چونکہ محبت، اطاعت، رضا اور عطا، اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ دونوں کے لئے مشترکہ طور پر ثابت ہے۔ اسی طرح بہت سی صفات ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان مشترک ہیں۔ اس اشتراک کو کبھی بھی کسی نے شرک نہیں بنایا۔ علامہ ابنِ تیمیہ نے ایک ہی جگہ اور ایک ہی عبارت میں ایسی **۲۳ مشترکہ صفات** کا ذکر کیا ہے اور ہر صفت کو قرآن سے مستنبط کیا ہے۔ علامہ ابنِ تیمیہ کا یہ ایمان افروز اقتباس مع ترجمہ ملاحظہ ہو:

الصفات المشتركة بين الله و عباده

فقد سمى الله نفسه حيّا، فقال: ﴿اَللّٰهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ﴾[1] و سمى بعض عباده حيّا، فقال: ﴿يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ﴾[2] و ليس هذا الحي مثل هذا الحي لأن قوله: ﴿الْحَيُّ﴾ اسم لله مختص به، و قوله: ﴿يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ﴾ اسم للحي المخلوق مختص به و إنما يتفقان إذا أطلقا و جردا عن

اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں میں مشترک صفات

اللہ تعالیٰ نے اپنا نام رکھا ہے حَیٌّ (ہمیشہ زندہ رہنے والا) فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ’’اسکے سوا کوئی معبود نہیں ہمیشہ زندہ رہنے والا سب کو قائم رکھنے والا۔‘‘ اس نے اپنے بعض بندوں کو بھی حَیٌّ (زندہ) فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا: ’’اور زندہ کو مُردہ (یعنی جاندار کو بے جان) سے کون نکالتا ہے اور مُردہ کو زندہ (یعنی بے جان کو جاندار) سے کون نکالتا ہے۔‘‘ یہ زندہ اس زندہ کی طرح تو نہیں ہوسکتا کیونکہ الحی خاص اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور اس فرمان یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ

(۱) البقرة، ۲:۲۵۵

(۲) البقرة، ۲:۲۵۵

التخصيص، ولكن ليس للمطلق مسمى موجود في الخارج، ولكن العقل يفهم من المطلق قدراً مشتركاً بين المسميين، و عند الاختصاص يقيد ذلك بما يتميز به الخالق عن المخلوق والمخلوق عن الخالق. ولا بد من هذا في جميع أسماء الله و صفاته، يفهم منها ما دل عليه الإسم بالمواطأة والاتفاق، وما دل عليه بالإضافة والاختصاص المانعة من مشاركة المخلوق للخالق في شيء خصائصه، سبحانه و تعالى.

و كذلك سمى الله نفسه: ﴿عَلِيْمًا حَلِيْمًا﴾(۱) و سمى بعض عباده عليما، فقال: ﴿وَ بَشَّرُوْهُ بِغُلَامٍ عَلِيْمٍ﴾(۲) يعني إسحاق، وسمى آخر حليما فقال: ﴿فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ

اَلْمَيِّتِ۔ خاص مخلوق کا نام ہے۔ یہ دونوں نام جب تخصیص سے خالی کر کے مطلقًا بولے جائیں تو متفق ہیں مگر خارج میں تو مطلق پایا نہیں جاتا البتہ عقلِ مطلق سے دونوں ناموں میں ایک قدرِ مشترک سمجھتی ہے اور تخصیص کرتے وقت کچھ ایسی قیود لگائی جائیں گی جن کی بنا پر خالق مخلوق سے ممتاز ہو اور مخلوق خالق سے اور ایسی قیدیں اللہ تعالیٰ کے تمام ناموں اور صفتوں میں لگانا ضروری ہیں تاکہ اسمِ مشترک بولتے وقت خصوصیات واضافات معلوم ہوں۔ جو خالق ومخلوق کی خصوصیات کوگڈ مڈ نہ ہونے دیں۔

یونہی اللہ تعالیٰ نے سورۂ احزاب میں اپنا نام علیم و حلیم بولا ہے اور یہی دو نام اپنے بعض بندوں کے لئے بھی استعمال کئے ہیں فرمایا: ’’فرشتوں نے ابراہیم (علیہ السلام) کو علم والے بیٹے (اسحاق) کی خوشخبری دی۔‘‘ اور

(۱) الاحزاب، ۳۳:۵۱

(۲) الذاریات، ۵۱:۲۸

حَلِيۡمٍ﴾(۱) يعني إسماعيل، و ليس العليم كالعليم، ولا الحليم كالحليم.

دوسرے بیٹے کا نام حَلِيۡم رکھا۔ فرمایا: ''پھر ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو بردبار بیٹے کی خوشخبری سنائی۔'' یعنی اسماعیل علیہ السلام کی حالانکہ یہ علیم اُس علیم کی طرح ہے نہ وہ حلیم اس حلیم کی طرح۔

و سمی نفسه: ﴿سَمِيۡعًا بَصِيۡرًا﴾ فقال: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاۡمُرُكُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمَانَاتِ اِلٰۤى اَهۡلِهَا وَ اِذَا حَكَمۡتُمۡ بَيۡنَ النَّاسِ اَنۡ تَحۡكُمُوۡا بِالۡعَدۡلِ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمۡ بِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيۡعًاۢ بَصِيۡرًا﴾(۲) و سمی بعض عباده سميعاً بصيراً فقال: ﴿اِنَّا خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ نُّطۡفَةٍ اَمۡشَاجٍ ۖ نَّبۡتَلِيۡهِ فَجَعَلۡنٰهُ سَمِيۡعًاۢ بَصِيۡرًا﴾(۳) و ليس السميع كالسميع، ولا بصير كالبصير.

اس نے اپنا نام رکھا: سَمِيۡعًا بَصِيۡرًا۔ فرمایا: ''بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں انہی لوگوں کے سپرد کرو جو ان کے اہل ہیں، اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کیا کرو، بیشک اللہ تمہیں کیا ہی اچھی نصیحت فرماتا ہے، بیشک اللہ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔'' اور اس نے اپنے بعض بندوں کو بھی سَمِيۡعًا بَصِيۡرًا فرمایا۔ ارشاد فرمایا: ''بے شک ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا فرمایا جسے ہم (تولّد تک ایک مرحلہ سے دوسرے مرحلہ کی طرف) پلٹتے اور جانچتے رہتے ہیں، پس ہم نے اسے (ترتیب سے) سننے والا (پھر)

(۱) الصافات، ۳۷: ۱۰۱

(۲) النساء، ۴: ۵۸

(۳) الإنسان، ۷۶: ۲

دیکھنے والا بنایا ہے۔'' حالانکہ ایک سمیع دوسرے سمیع کی طرح نہیں، نہ ایک بصیر دوسرے بصیر کی طرح۔

و سمى نفسه بالرء وف الرحيم، فقال: ﴿إِنَّ اللهَ بِالنَّاسِ لَرَؤُوفٌ رَّحِيمٌ﴾(۱) و سمى بعض عباده بالرء وف الرحيم، فقال: ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾(۲) وليس الرء وف كالرءوف، ولا الرحيم كالرحيم.

اور اس نے اپنا نام الرَّؤُفُ الرَّحِیم رکھا۔ فرمایا: ''بیشک اللہ لوگوں پر بڑی شفقت فرمانے والا مہربان ہے۔'' اور اس نے اپنے بعض بندوں کا نام رَّؤُفٌ رَّحِیم۔ فرمایا: ''بیشک تمہارے پاس تم میں سے (ایک باعظمت) رسول (ﷺ) تشریف لائے۔ تمہارا تکلیف و مشقت میں پڑنا ان پر سخت گراں (گزرتا) ہے۔ (اے لوگو!) وہ تمہارے لئے (بھلائی اور ہدایت کے) بڑے طالب و آرزومند رہتے ہیں (اور) مومنوں کے لئے نہایت (ہی) شفیق بے حد رحم فرمانے والے ہیں۔'' حالانکہ ایک رؤوف دوسرے رؤوف کی طرح نہیں، نہ ایک رحیم دوسرے رحیم کی مانند۔

و سمى نفسه بالملك، فقال:

اللہ تعالیٰ نے اپنا نام الملک بتایا ہے اور

(۱) البقرة، ۲:۱۴۳

(۲) التوبة، ۹:۱۲۸

﴿اَلْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ﴾[۱] و سمی بعض عباده بالملک فقال: ﴿وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا﴾[۲] ﴿وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ﴾[۳] و لیس الملک کالملک.

فرمایا: اَلْمَلِکُ الْقُدُّوسُ۔ اور اپنے بعض بندوں کو بھی الملک بتایا: فرمایا: ’’ان کے آگے ایک (جابر) بادشاہ (کھڑا) تھا جو ہر (بے عیب) کشتی کو زبردستی (مالکوں سے بلامعاوضہ) چھین رہا تھا۔‘‘ اور فرمایا: ’’اور (یہ تعبیر سنتے ہی) بادشاہ نے کہا: یوسف (علیہ السلام) کو (فوراً) میرے پاس لے آؤ۔‘‘ حالانکہ ایک مَلِک دوسرے مَلِک کی طرح نہیں۔

و سمی نفسه بالمؤمن المهیمن، و سمی بعض عباده بالمؤمن. فقال: ﴿اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا يَسْتَوٗنَ﴾[۴] ولیس المؤمن کالمؤمن.

یونہی اس نے اپنا نام بتایا الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ اور اپنے کچھ بندوں کو بھی مؤمن فرمایا: ’’بھلا وہ شخص جو صاحبِ ایمان ہو اس کی مثل ہوسکتا ہے جو نافرمان ہو، (نہیں) یہ (دونوں) برابر نہیں ہو سکتے۔‘‘ حالانکہ ایک مؤمن دوسرے مؤمن کی طرح نہیں۔

(۱) الحشر، ۲۳:۵۹

(۲) الکهف، ۷۹:۱۸

(۳) یوسف، ۵۰:۱۲

(۴) السجدة، ۱۸:۳۲

وسمى نفسه بالعزيز، فقال: ﴿الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ﴾[1]. و سمى بعض عباده بالعزيز، فقال: ﴿قَالَتِ امْرَاتُ الْعَزِيْزِ﴾[2] و ليس العزيز كالعزيز.

اس نے اپنا نام العزیز بتایا: فرمایا: الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ ''غلبہ و عزّت والا ہے، زبردست عظمت والا ہے، سلطنت و کبریائی والا ہے۔'' فرمایا: اور اپنے بعض بندوں کا نام بھی العزیز بتایا ہے: ''عزیزِ مصر کی بیوی (زلیخا بھی) بول اٹھی۔'' حالانکہ ایک عزیز دوسرے عزیز کی طرح نہیں۔

و سمى نفسه الجبار المتكبر، و سمى بعض خلقه بالجبار المتكبر، فقال: ﴿كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ﴾[3] و ليس الجبار كالجبار، ولا المتكبر كالمتكبر، و نظائر هذا متعددة.

اس نے اپنا نامِ اقدس الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّر بتایا اور اپنی بعض مخلوق کا نام بھی الْجَبَّار الْمُتَكَبِّر رکھا۔ فرمایا: ''اسی طرح اللہ ہر ایک مغرور (اور) سرکش کے دل پر مُہر لگا دیتا ہے۔'' حالانکہ ایک جبار دوسرے جبار کی طرح اور ایک متکبر دوسرے متکبر کی طرح نہیں، اس کی متعدد مثالیں دی جا سکتی ہیں۔

وكذلك سمى صفاته بأسماء، وسمى صفات عباده بنظير ذلك فقال: ﴿وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ

یونہی اس نے اپنی صفات کے نام رکھے اور اسی طرح اپنے بندوں کی صفات کے۔ فرمایا: ''اور وہ اس کی معلومات میں سے کسی چیز کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے مگر جس قدر وہ

(۱) الحشر، ۵۹:۲۳

(۲) يوسف، ۱۲:۵۱

(۳) غافر، ۴۰:۳۵

عِلۡمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ﴾[۱] ﴿اَنۡزَلَهٗ بِعِلۡمِهٖ﴾[۲].

چاہے۔‘‘ اور فرمایا: ’’اسے اپنے علم سے نازل فرمایا ہے۔‘‘

و قال: ﴿اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الۡقُوَّةِ الۡمَتِيۡنُ﴾[۳]. و قال: ﴿اَوَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىۡ خَلَقَهُمۡ هُوَ اَشَدُّ مِنۡهُمۡ قُوَّةً﴾[۴]

اور فرمایا: ’’بیشک اللہ ہی ہر ایک کا روزی رساں ہے، بڑی قوت والا ہے، زبردست مضبوط ہے۔‘‘ اور فرمایا: ’’اور کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ جس نے انہیں پیدا فرمایا ہے وہ اُن سے کہیں بڑھ کر طاقتور ہے۔‘‘

و سمى صفة المخلوق علماً و قوة فقال: ﴿وَمَآ اُوۡتِيۡتُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ اِلَّا قَلِيۡلًا﴾[۵]. و قال: ﴿وَفَوۡقَ كُلِّ ذِىۡ عِلۡمٍ عَلِيۡمٌ﴾[۶]

اور مخلوق کی صفت کو بھی علم اور قوۃ فرمایا: ’’اور تمہیں بہت ہی تھوڑا سا علم دیا گیا ہے۔‘‘ اور فرمایا: ’’ہر صاحبِ علم سے اوپر (بھی) ایک علم والا ہوتا ہے۔‘‘

و قال: ﴿فَرِحُوۡا بِمَا عِنۡدَهُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ﴾[۷].

اور فرمایا: ’’تو اُن کے پاس جو (دنیاوی) علم وفن تھا وہ اس پر اِتراتے رہے۔‘‘

---

(۱) البقرة، ۲:۲۵۵

(۲) النساء، ۴:۱۶۶

(۳) الذاريات، ۵۱:۵۸

(۴) فصلت، ۴۱:۱۵

(۵) الاسراء، ۱۷:۸۵

(۶) يوسف، ۱۲:۷۶

(۷) غافر، ۴۰:۸۳

و قال: ﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ شَیْبَةً﴾(۱). و قال: ﴿وَّ یَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰی قُوَّتِكُمْ﴾(۲).

اور فرمایا: ''اللہ ہی ہے جس نے تمہیں کمزور چیز (یعنی نطفہ) سے پیدا فرمایا پھر اس نے کمزوری کے بعد قوتِ (شباب) پیدا کی، پھر اس نے قوت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا پیدا کر دیا۔'' اور فرمایا: ''اور تمہاری قوت پر قوت بڑھائے گا۔''

و قال: ﴿وَ السَّمَآءَ بَنَیْنٰهَا بِاَیْدٍ﴾(۳) أي بقوة، و قال: ﴿وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَیْدِ﴾(۴) أي ذا القوة، و لیس العلم کالعلم، و لا القوة کالقوة.

اور فرمایا: ''اور آسمانی کائنات کو ہم نے بڑی قوت کے ذریعہ بنایا۔'' اور فرمایا: ''اور ہمارے بندے داؤد (علیہ السلام) کا ذکر کریں جو بڑی قوت والے تھے۔'' حالانکہ ایک علم دوسرے علم اور ایک قوت دوسری قوت کی مثل نہیں۔

و وصف نفسه بالمشیئة، ووصف عبده بالمشئة. فقال: ﴿لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ یَّسْتَقِیْمَ ○ وَ مَا تَشَآؤُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ﴾(۵) وقال: ﴿اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ

اور اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت مشیئت بیان کی اور بندے کی صفت بھی مشیئت بیان فرمائی۔ اور فرمایا: ''تم میں سے ہر اس شخص کے لئے (اس چشمہ سے ہدایت میسر آ سکتی ہے) جو سیدھی راہ چلنا چاہے اور تم وہی کچھ چاہ سکتے ہو جو اللہ چاہے جو تمام جہانوں کا

(۱) الروم، ۳۰:۵۴

(۲) هود، ۱۱:۵۲

(۳) الذاریات، ۵۱:۴۷

(۴) ص، ۳۸:۱۷

(۵) التکویر، ۸۱:۲۸۔۲۹

اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّهٖ سَبِيْلًاO وَمَا تَشَآؤُوْنَ اِلَّآ أَنْ يَّشَآءَ اللهُ ط إِنَّ اللهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾(۱)

رب ہے۔‘‘ اور فرمایا: ’’بے شک یہ (قرآن) نصیحت ہے، سو جو کوئی چاہے اپنے رب کی طرف (پہنچنے کا) راستہ اِختیار کر لے۔ اور تم خود کچھ نہیں چاہ سکتے سوائے اس کے جو اللہ چاہے، بے شک اللہ خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔‘‘

و كذلك وصف نفسه بالإرادة، ووصف عبده بالإرادة، فقال: ﴿تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ط وَاللهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾(۲)

یونہی اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت بیان فرمائی ارادہ کرنا۔ اور بندے کی صفت بھی ارادہ کرنا، فرمایا: ’’تم لوگ دنیا کا مال و اسباب چاہتے ہو، اور اللہ آخرت کی (بھلائی) چاہتا ہے اور اللہ خوب غالب حکمت والا ہے۔‘‘

و وصف نفسه بالمحبة ووصف عبده بالمحبة، فقال: ﴿فَسَوْفَ يَاْتِي اللهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ﴾(۳) وقال: ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللهُ﴾(۴)

اور اس نے اپنی صفت بیان فرمائی محبت کرنا، اور اپنے بندے کی صفت بھی محبت بیان فرمائی۔ فرمایا: ’’تو عنقریب اللہ (ان کی جگہ) ایسی قوم کو لائے گا جن سے وہ (خود) محبت فرماتا ہوگا اور وہ اس سے محبت کرتے ہوں گے۔‘‘ اور فرمایا: ’’(اے حبیب!) آپ فرما دیں: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو تب اللہ تمہیں

(۱) الدهر، ۷۶:۲۹-۳۰
(۲) الانفال، ۸:۶۷
(۳) المائدة، ۵:۵۴
(۴) آل عمران، ۳:۳۱

(اپنا) محبوب بنالے گا۔‘‘

ووصف نفسه بالرضا، ووصف عبده بالرضا، فقال: ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ﴾(۱)

اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت رضا (راضی ہونا) بیان فرمائی اور اپنے بندے کی صفت بھی رضا بیان فرمائی۔ فرمایا: ’’اللہ اُن سے راضی ہوگیا ہے اور وہ لوگ اس سے راضی ہیں۔‘‘

و معلوم أن مشيئة الله ليست مثل مشيئة العبد، ولا إرادته مثل إرادته، ولا محبته مثل محبته، ولا رضاه مثل رضاه.

اور معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت بندے کی مشیت جیسی نہیں، نہ اس کا ارادہ اس کے ارادہ کی طرح، نہ اس کی محبت اس کی محبت جیسی، نہ اس کی رضا اس کی رضا جیسی۔

و كذلك وصف نفسه بأنه يمقت الكفار. ووصفهم بالمقت فقال: ﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا يُنَادَوۡنَ لَمَقۡتُ اللّٰهِ اَكۡبَرُ مِنۡ مَّقۡتِكُمۡ اَنۡفُسَكُمۡ اِذۡ تُدۡعَوۡنَ اِلَى الۡاِيۡمَانِ فَتَكۡفُرُوۡنَ﴾(۲) و ليس المقت مثل المقت.

یونہی اس نے اپنی صفت بیان کی کہ وہ کافروں سے بیزار ہے پھر ان کی صفت بیان کی کہ وہ خود بھی اپنے آپ سے بیزار ہوں گے۔ ’’بے شک جنہوں نے کفر کیا انہیں پکار کر کہا جائے گا: (آج) تم سے اللہ کی بیزاری، تمہاری جانوں سے تمہاری اپنی بیزاری سے زیادہ بڑھی ہوئی ہے، جبکہ تم ایمان کی طرف بلائے جاتے تھے مگر تم انکار کرتے تھے۔‘‘ جبکہ ایک بیزاری دوسری کی طرح نہیں۔

(۱) البينة، ۹۸:۸

(۲) غافر، ۴۰:۱۰

و هكذا وصف نفسه بالمكر والكيد كما وصف عبده بذلك، فقال: ﴿وَيَمْكُرُوْنَ وَ يَمْكُرُ اللهُ﴾[۱] و قال: ﴿اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ○ وَاَكِيْدُ كَيْدًا﴾[۲] و ليس المكر كالمكر ولا الكيد كالكيد.

یونہی اس نے اپنی صفت بیان فرمائی مکر و کید جیسے بندے کی مکر و کید صفت بیان فرمائی۔ فرمایا: ''اور (اِدھر) وہ سازشی منصوبے بنا رہے تھے اور (اُدھر) اللہ (ان کے مکر کے رد کے لئے اپنی) تدبیر فرما رہا تھا۔'' اور فرمایا: ''بیشک وہ (کافر) پُر فریب تدبیروں میں لگے ہوئے ہیں۔ اور میں اپنی تدبیر فرما رہا ہوں۔'' حالانکہ ایک مکر دوسرے مکر اور ایک کید دوسرے کید کی طرح نہیں۔

ووصف نفسه بالعمل، فقال: ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَا اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مَالِكُوْنَ﴾[۳] ووصف عبده بالعمل فقال: ﴿تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾[۴] و ليس العمل كالعمل.

اس نے اپنی صفت بتائی عمل۔ فرمایا: ''کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اپنے دستِ قدرت سے بنائی ہوئی (مخلوق) میں سے اُن کے لئے چوپائے پیدا کیے تو وہ ان کے مالک ہیں۔'' اور اپنے بندے کی صفت بھی عمل بیان کی فرمایا: ''تمہیں صرف انہی کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے رہے تھے۔'' حالانکہ ایک عمل دوسرے کی مثل نہیں۔

ووصف نفسه بالمناداة والمناجاة، فقال: ﴿وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ

اور اس نے اپنی صفت بیان فرمائی منادات و مناجات۔ ''اور ہم نے انہیں (کوہِ) طور

(۱) الأنفال، ۸: ۳۰

(۲) الطارق، ۸۶: ۱۵-۱۶

(۳) يس، ۳۶: ۷۱

(۴) الطور، ۵۲: ۱۶

الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا﴾[1] وقال: ﴿وَ يَوْمَ يُنَادِيْهِمْ﴾[2] و قال: ﴿وَنَادٰهُمَا رَبُّهُمَا﴾[3] ووصف عباده بالمناداة والمناجاة، فقال: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾[4] و قال: ﴿اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ﴾[5] وقال: ﴿اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ﴾[6] وليس المناداة والمناجاة كالمناجاة والمناداة.

کی داہنی جانب سے ندا دی اور راز و نیاز کی باتیں کرنے کے لئے ہم نے انہیں قربتِ (خاص) سے نوازا۔'' اور فرمایا: ''اور جس دن (اللہ) انہیں پکارے گا۔'' اور فرمایا: ''تو ان کے رب نے انہیں ندا فرمائی۔'' اور اپنے بندوں کی صفت بھی مناداۃ و مناجات بیان فرمائی۔ ''بیشک جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر (آپ کے بلند مقام و مرتبہ اور آدابِ تعظیم کی) سمجھ نہیں رکھتے۔'' اور فرمایا: ''جب تم رسول (ﷺ) سے کوئی راز کی بات تنہائی میں عرض کرنا چاہو۔'' اور فرمایا: ''جب تم آپس میں سرگوشی کرو تو گناہ اور ظلم و سرکشی کی سرگوشی نہ کیا کرو۔'' حالانکہ ایک مناداۃ (پکار) و مناجات (سرگوشی) دوسری مناداۃ و مناجات کی طرح نہیں۔

ووصف نفسه بالتكليم في قوله:

(۱) مریم، ۵۲:۱۹

(۲) القصص، ۶۲:۲۸

(۳) الاعراف، ۲۲:۷

(۴) الحجرات، ۴:۴۹

(۵) المجادلۃ، ۱۲:۵۸

(۶) المجادلۃ، ۹:۵۸

﴿وَكَلَّمَ اللهُ مُوسٰى تَكْلِيمًا﴾(۱) و قوله: ﴿وَلَمَّا جَآءَ مُوسٰى لِمِيقَاتِنَا وَ كَلَّمَهُ رَبُّهُ﴾(۲) وقوله: ﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللهُ﴾(۳)

اور اس نے اپنی صفت بیان کی کلام کرنا (تکلیم) ''اور اللہ نے موسیٰ (علیہ السلام) سے (بلاواسطہ) گفتگو (بھی) فرمائی۔'' اور فرمایا: ''اور جب موسیٰ (علیہ السلام) ہمارے (مقرر کردہ) وقت پر حاضر ہوا اور اس کے رب نے اس سے کلام فرمایا۔'' اور فرمایا: ''یہ سب رسول (جو ہم نے مبعوث فرمائے) ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، ان میں سے کسی سے اللہ نے (براہِ راست) کلام فرمایا۔''

ووصف عبده بالتكليم في قوله: ﴿وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهٖٓ أَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِي ج فَلَمَّا كَلَّمَهُ قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ﴾(۴)

اور اپنے بندے کی صفت بھی تکلیم (کلام کرنا) بیان فرمائی۔ ''اور بادشاہ نے کہا: انہیں میرے پاس لے آؤ کہ میں انہیں اپنے لئے (مشیرِ) خاص کر لوں، سو جب بادشاہ نے آپ سے (بالمشافہ) گفتگو کی (تو نہایت متاثر ہوا اور) کہنے لگا (اے یوسف!) بیشک آپ آج سے ہمارے ہاں مقتدر (اور) معتمد ہیں (یعنی آپ کو اقتدار میں شریک کر لیا گیا ہے)۔''

(۱) النساء، ۴:۱۶۴

(۲) الاعراف، ۷:۱۴۳

(۳) البقرة، ۲:۲۵۳

(۴) يوسف، ۱۲:۵۴

ووصف نفسه بالتنبئة، ووصف بعض الخلق بالتنبئة فقال: ﴿وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا ج فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللهُ عَلَیْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ج فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَکَ هٰذَا ط قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ﴾(۱) وليس الإنباء كالإنباء.

اور اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت فرمائی اَلتُّنبِئَۃُ (غیب بتانا) اور اپنی بعض مخلوق کی صفت بھی اَلتُّنبِئَۃُ بتائی۔ ”اور جب نبیِّ (مکرّم ﷺ) نے اپنی ایک زوجہ سے ایک رازدارانہ بات ارشاد فرمائی، پھر جب وہ اُس (بات) کا ذکر کر بیٹھیں اور اللہ نے نبی (ﷺ) پر اسے ظاہر فرما دیا تو نبی (ﷺ) نے انہیں اس کا کچھ حصّہ جِتا دیا اور کچھ حصّہ (بتانے) سے چشم پوشی فرمائی، پھر جب نبی (ﷺ) نے انہیں اِس کی خبر دے دی (کہ آپ راز افشاء کر بیٹھی ہیں) تو وہ بولیں: آپ کو یہ کِس نے بتا دیا ہے؟ نبی (ﷺ) نے فرمایا کہ مجھے بڑے علم والے بڑی آگاہی والے (رب) نے بتا دیا ہے۔“ حالانکہ ایک اِنبَاء (غیب بتانا) دوسرے انباء کی طرح نہیں۔

ووصف نفسه بالتعليم، فقال: ﴿اَلرَّحْمٰنُ ○ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ○ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ﴾(۲)

اور اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت بیان فرمائی تعلیم علم سکھانا۔ فرمایا: ”(وہ) رحمٰن ہی ہے۔ جس نے (خود رسولِ عربی ﷺ کو) قرآن سکھایا اُسی نے (اِس کامل) انسان کو پیدا فرمایا۔

(۱) التحریم، ۶۶:۳

(۲) الرحمن، ۵۵:۱-۴

وقال: ﴿تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللهُ﴾(۱) و قال: ﴿لَقَدْ مَنَّ اللهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ﴾(۲) وليس التعليم كالتعليم.

اسی نے اِسے (یعنی نبیِ برحق ﷺ کو ماکان و ما یکون کا) بیان سکھایا۔" اور فرمایا: "تم انہیں (شکار کے وہ طریقے) سکھاتے ہو جو تمہیں اللہ نے سکھائے ہیں۔" اور فرمایا: "بیشک اللہ نے مسلمانوں پر بڑا احسان فرمایا کہ ان میں انہی میں سے (عظمت والا) رسول (ﷺ) بھیجا جوان پر اس کی آیتیں پڑھتا اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔" حالانکہ ایک تعلیم دوسری تعلیم کی طرح نہیں۔

و هكذا وصف نفسه بالغضب فقال: ﴿وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ﴾(۳) ووصف عبده بالغضب في قوله: ﴿وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا﴾(۴) وليس الغضب كالغضب.

یونہی اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت غضب بیان فرمائی۔ "اور ان پر اللہ نے غضب فرمایا اور ان پر لعنت فرمائی۔" پھر اپنے بندے کی صفت غضب بیان فرمائی: "اور جب موسیٰ (علیہ السلام) اپنی قوم کی طرف نہایت غم و غصہ سے بھرے ہوئے پلٹے تو کہنے لگے۔" حالانکہ ایک غضب دوسرے کی مثل نہیں۔

www.MinhajBooks.com

(۱) المائدة، ۵:۴

(۲) آل عمران، ۳:۱۶۴

(۳) الفتح، ۴۸:۶

(۴) الاعراف، ۷:۱۵۰

ووصف نفسه بأنه استوی علی عرشه، فذکر ذلک في سبع مواضع من کتابه: استوی علی العرش، ووصف بعض خلقه بالاستواء علی غیره في مثل قوله: ﴿لِتَسۡتَوٗا عَلٰی ظُهُوۡرِهٖ﴾(۱) وقوله: ﴿فَاِذَا اسۡتَوَيۡتَ اَنۡتَ وَمَنۡ مَّعَکَ عَلَی الۡفُلۡکِ﴾(۲) وقوله: ﴿وَاسۡتَوَتۡ عَلَی الۡجُوۡدِيِّ﴾(۳) و لیس الاستواء کالاستواء.

اور اپنی صفت استواء علی العرش بیان کی کہ وہ اپنے عرش پر متمکن ہوا۔ اور یہ بات قرآن کریم میں سات مقامات پر دہرائی اور اپنی بعض مخلوق کا کسی اور چیز پر متمکن ہوا بیان فرمایا مثلاً ''تاکہ تم ان کی پشتوں (یا نشستوں) پر درست ہو کر بیٹھ سکو۔'' اور فرمایا: ''پھر جب تم اور تمہاری سنگت والے (لوگ) کشتی میں ٹھیک طرح سے بیٹھ جائیں۔'' اور فرمایا: ''اور کشتی جودی پہاڑ پر جا ٹھہری۔'' حالانکہ ایک استویٰ دوسرے استویٰ کی طرح نہیں۔

ووصف نفسه ببسط الیدین، فقال: ﴿وَقَالَتِ الۡيَهُوۡدُ يَدُ اللهِ مَغۡلُوۡلَةٌ غُلَّتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ وَلُعِنُوۡا بِمَا قَالُوۡا بَلۡ يَدٰهُ مَبۡسُوۡطَتٰنِ يُنۡفِقُ کَيۡفَ يَشَآءُ﴾(۴) ووصف بعض خلقه ببسط الید في قوله: ﴿وَلَا تَجۡعَلۡ يَدَکَ مَغۡلُوۡلَةً اِلٰی

اور اس نے اپنی صفت بیان فرمائی کہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں۔ ''اور یہود کہتے ہیں کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے (یعنی معاذ اللہ وہ بخیل ہے)، ان کے (اپنے) ہاتھ باندھے جائیں اور جو کچھ انہوں نے کہا اس کے باعث ان پر لعنت کی گئی، بلکہ (حق یہ ہے کہ) اس کے دونوں ہاتھ (جود و سخا کے

(۱) الزخرف، ۴۳:۱۳

(۲) المؤمنون، ۲۳:۲۸

(۳) ھود، ۱۱:۴۴

(۴) المائدة، ۵:۶۴

عُنُقِکَ وَلاَ تَبۡسُطۡهَا کُلَّ الۡبَسۡطِ﴾[1] وليس اليد كاليد، ولا البسط كالبسط، و إذا كان المراد بالبسط الإعطاء والجود، فليس إعطاء الله كإعطاء خلقه، ولا جوده كجودهم و نظائر هذا كثيرة.

لئے) کشادہ ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ (یعنی بندوں پر عطائیں) فرماتا ہے۔'' اور اپنی کچھ مخلوق کی بھی یہ صفت بیان کی کہ ان کے ہاتھ کھلے ہیں فرمایا: ''اور نہ اپنا ہاتھ اپنی گردن سے باندھا ہوا رکھو (کہ کسی کو کچھ نہ دو) اور نہ ہی اسے سارا کا سارا کھول دو۔'' حالانکہ ہاتھ ہاتھ جیسا نہیں، نہ کھولنا کھولنے کی طرح۔ جب کھولنے سے مراد ہے جود و عطاء کرنا تو اللہ تعالیٰ کی عطاء مخلوق کی عطا کی مثل نہیں۔ نہ اس کی سخاوت مخلوق کی سخاوت کی سی اور اس کی مثالیں بہت ہیں۔

فلا بد من إثبات ما أثبته الله لنفسه و نفي مماثلته لخلقه، فمن قال: ليس لله علم. ولا قوة ولا رحمة، ولا كلام ولا يحب، ولا يرضى ولا نادى، ولا ناجى، ولا استوى: كان معطلاً جاحداً، ممثلاً لله بالمعدومات والجمادات.

پس ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اپنے لئے ثابت کیا ہے اُسے اُسی کے لئے ثابت مانا جائے اور مخلوق سے اس کی مماثلت کی نفی کی جائے۔ تو جس نے کہا اللہ تعالیٰ کا علم نہیں قوت نہیں، رحمت نہیں کلام نہیں، وہ محنت نہیں کرتا، راضی نہیں ہوتا، آواز نہیں دیتا، سرگوشی نہیں کرتا، استوی نہیں کرتا، وہ اللہ تعالیٰ کو معطل ماننے والا منکر ہے۔ وہ اللہ کو معدومات و جمادات سے تشبیہ دینے والا ہے

(۱) الاسراء، ۲۹:۱۷

ومن قال: له علم كعلمي، أو قوة كقوتي، أو حب كحبي، أو رضاء كرضائي، أو يدان كيداي، أو استواء كاستوائي: كان مشبهاً ممثلاً لله بالحيوانات.

اور جس نے کہا اس کا علم میرے علم جیسا ہے اس کی قدرت میری قدرت جیسی ہے اس کی محبت میری محبت جیسی ہے، اس کی رضا میری رضا جیسی ہے یا اس کے ہاتھ میرے ہاتھوں جیسے ہیں یا اس کا متمکن ہونا میرے بیٹھنے کی طرح ہے۔ وہ اللہ کو حیوانات سے تشبیہہ دینے والا ہے۔

بل لا بد من إثبات بلا تمثيل و تنزيه بلا تعطيل.(1)

بلکہ ضروری ہے کہ یہ سب کچھ بلامثال اور تنزیہہ (پاکی) بغیر تعطیل ثابت کی جائے۔

علامہ ابنِ تیمیہ کی تصنیف **''العبودية''** کے شارح عبدالعزیز بن عبداللہ الراجحی سورۂ توبہ کی آیت: ۲۴، ۵۹ اور ۶۲ کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

و هناک حقوق مشترکة بين الله و بين الرسول، مثل المحبة فهذه تکون لله و للرسول، و الطاعة تکون لله و للرسول، و الإرضاء يکون لله و للرسول، و الإيتاء يکون لله و للرسول ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَا آتَاهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ﴾ فلا يخلط الإنسان بين حقوق الله الخاصة به و بين الحقوق المشترکة بين الله و الرسول.

هناک حقوق خاصة بالرسول و هی التوقير، و التعظيم، و الإجلال، و التعزيز، کما قال الله تعالیٰ في سورة الفتح ﴿اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ

(۱) ابن تيميه، الرسالة التدمرية: ۲۱

وَتُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ﴾ تعزروه و توقروه هذا للرسول، و التعزير و التوقير: أي التقدير و الإجلال، ثم قال ﴿وَ تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا﴾ هذا خاص بالله، التسبيح و التكبير و التهليل هذا حق الله لأنها عبادة، فلا تسبح الرسول و لا تهلل الرسول و لا تكبر الرسول، بل هذا خاص بالله، و هناك حقوق مشتركة بين الله و بين الرسول و منها: المحبة و الطاعة و الإيتاء و الإرضاء.(۱)

''اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے درمیان بعض حقوق مشترکہ ہیں جیسے **محبت**، یہ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ دونوں کے لئے ثابت ہے۔ **طاعت**، یہ بھی اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ دونوں کے لئے مشترک ہے۔ **رضامندی**، یہ بھی اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ دونوں کے لئے مشترکہ طور پر ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اور کیا ہی اچھا ہوتا اگر وہ لوگ اس پر راضی ہو جاتے جو ان کو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) نے عطا فرمایا تھا'' پس (اس صراحت کے بعد) کوئی بھی انسان اللہ تعالیٰ کے حقوقِ خاصہ اور اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے حقوقِ مشترکہ کے درمیان خلط ملط نہیں کر سکتا۔

اسی طرح بعض حقوق ایسے ہیں جو صرف رسالت مآب ﷺ کے ساتھ **خاص** ہیں وہ یہ ہیں، **توقیر**، **تعظیم**، **اجلال** اور **تعزیر** جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفتح میں فرمایا: ''بیشک ہم نے آپ کو (روزِ قیامت گواہی دینے کے لئے اعمال و احوالِ امت کا) مشاہدہ فرمانے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ تاکہ (اے لوگو!) تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور ان (کے دین) کی مدد کرو اور ان کی بے حد تعظیم و تکریم کرو۔''

تعزوه وتوقروه یہ الفاظِ (تعظیم) صرف رسول ﷺ کے لئے ہیں یعنی تعظیم و

(۱) عبدالعزیز بن عبداللہ الراجحی، شرح العبودیة: ۲۱

تکریم اور ادب و احترام رسول ﷺ کا حق ہے۔

اور پھر فرمایا: ''اور (ساتھ) اللہ کی صبح و شام تسبیح کرو۔'' یہ الفاظ اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہیں۔ تسبیح تکبیر تہلیل یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے کیونکہ یہ عبادت ہے پس اللہ تعالیٰ کی طرح رسول ﷺ کی تسبیح پڑھی جائے نہ تہلیل اور نہ تکبیر۔ یہ (بطورِ عبادت) صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ اسی طرح کچھ حقوق ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے مابین مشترکہ ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں۔ **محبت، اطاعت، عطا** اور **رضا**۔''

www.MinhajBooks.com

مآخذ و مراجع

۱۔ **القرآن الحکیم۔**

۲۔ **ابن تیمیہ**، احمد بن عبدالحلیم بن عبد السلام حرانی (۶۶۱۔۷۲۸ھ/۱۲۶۳۔۱۳۲۸ء)۔ **الرسالة التدمرية**۔ اسکندریہ، مصر: دار البصیرہ۔

۳۔ **ابن سعد**، ابو عبد اللہ محمد (۱۶۸۔۲۳۰ھ/۷۸۴۔۸۴۵ء)۔ **الطبقات الکبریٰ**۔ بیروت، لبنان: دار بیروت للطباعہ والنشر، ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء۔

٤۔ **ابو داؤد**، سلیمان بن اشعث سجستانی (۲۰۲۔۲۷۵ھ/۸۱۷۔۸۸۹ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء۔

۵۔ **ابو داؤد**، سلیمان بن اشعث سجستانی (۲۰۲۔۲۷۵ھ/۸۱۷۔۸۸۹ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

٦۔ **ابو یعلی**، احمد بن علی بن مثنی بن یحییٰ بن عیسیٰ بن ہلال موصلی تمیمی (۲۱۰۔۳۰۷ھ/ ۸۲۵۔۹۱۹ء)۔ **المسند**۔ دمشق، شام: دار المأمون للتراث، ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء۔

۷۔ **احمد بن حنبل**، ابو عبد اللہ بن محمد (۱۶۴۔۲۴۱ھ/۷۸۰۔۸۵۵ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء۔

۸۔ **بخاری**، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/۸۱۰۔ ۸۷۰ء)۔ **الصحیح**۔ بیروت، لبنان + دمشق، شام: دار القلم، ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء۔

۹۔ **ترمذی**، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسی بن ضحاک سلمی (۲۱۰۔۲۷۹ھ /۸۲۵۔۸۹۲ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الغرب الاسلامی، ۱۹۹۸ء۔

۱۰۔ **دارمی**، ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن (۱۸۱۔۲۵۵ھ/ ۷۹۷۔۸۶۹ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ۔

۱۱۔ **دیلمی**، ابو شجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ بن فناخسرو ہمذانی (۴۴۵۔۵۰۹ھ/ ۱۰۵۳۔۱۱۱۵ء)۔ **الفردوس بمأثور الخطاب**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۸۶ء۔

۱۲۔ **عبدالعزیز بن عبداللہ راجحی۔ شرح العبودیة لشیخ ابن تیمیة**۔ بیروت، لبنان: دار ابن حزم، ریاض، سعودی عرب: دار الفضیلہ، ۱۴۲۰ھ۔

۱۳۔ **مسلم**، ابن الحجاج قشیری (۲۰۶۔ ۲۶۱ھ/ ۸۲۱۔۸۷۵ء)۔ **الصحیح**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

www.MinhajBooks.com